ماہنامہ

التبلیغ

راولپنڈی

جلد 24 شمارہ 04 اکتوبر 2026ء - ربیع الآخر 1448ھ

جلد 24 شمارہ 04

ماہنامہ

التبلیغ

راولپنڈی

اکتوبر 2026ء - ربیع الآخر 1448ھ

بشرفِ دعا

حضرت نواب محمد عشرت علی خان قیصر صاحب رحمہ اللہ

وحضرت مولانا ڈاکٹر تنویر احمد خان صاحب رحمہ اللہ

مدیر
مفتی محمد رضوان

ناظم
مولانا عبدالسلام

مجلسِ مشاورت

مفتی محمد ناصر — مولانا طارق محمود — *Ñi y%g

فی شمارہ.................. 50 روپے

سالانہ................ 500 روپے

پبلشرز
محمد رضوان
سرحد پرنٹنگ پریس، راولپنڈی

خط وکتابت کا پتہ
ماہنامہ التبلیغ پوسٹ بکس 959
راولپنڈی پوسٹ کوڈ 46000 پاکستان

قانونی مشیر
محمد شرجیل جاوید چوہدری
ایڈوکیٹ ہائی کورٹ

مستقل رکنیت کے لئے اپنے مکمل ڈاک کے پتہ کے ساتھ سالانہ فیس صرف 500 روپے ارسال فرما کر گھر بیٹھے ہر ماہ ماہنامہ "التبلیغ" حاصل کیجئے

ڈاک کا پتہ تبدیل ہو جانے یا ماہنامہ موصول نہ ہونے کی صورت میں رکنیت نمبر کا حوالہ دے کر فوری اطلاع کریں

اس دائرہ میں سرخ نشان آپ کی رکنیت ختم ہونے کی علامت ہے، آئندہ شمارہ رکنیت فیس موصول ہونے پر ارسال کیا جا سکے گا

برائے رابطہ ...... ادارہ غفران ٹرسٹ چاہ سلطان گلی نمبر 17
عقب پٹرول پمپ وچھڑا گودام راولپنڈی صوبہ پنجاب پاکستان
مولانا عبدالسلام صاحب - 0333-5365831
www.idaraghufran.org
Email: idaraghufran@yahoo.com
www.facebook.com/Idara Ghufran

ترتیب وتحریر

صفحہ

آئینۂ احوال............حکومت کے خلاف خروج وسرکشی............مفتی محمد رضوان 3

درسِ قرآن (سورہ نساء: قسط15)..................بیویوں کو دیئے گئے مہر ومال کو

واپس لینے کی ممانعت..................// // 8

درسِ حدیث..................کلمۂ تہلیل کا وزن..................// // 14

مقالات ومضامین: تزکیۂ نفس، اصلاحِ معاشرہ واصلاحِ معاملہ

افادات وملفوظات..................مفتی محمد رضوان 17

علم کے مینار: ....فقہ مالکی، منہج، تلامذہ،

کتب، مختصر تعارف (چھیالیسواں حصہ)..................مفتی غلام بلال 22

تذکرۂ اولیاء: ....حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور

میں تدوینِ قرآن (حصہ:3)..................مولانا محمد ریحان 25

پیارے بچو!..................امی ابو کی بات..................// // 27

بزمِ خواتین....زیب وزینت میں خواتین کے اختیارات (حصہ:24)....مفتی طلحہ مدثر 29

آپ کے دینی مسائل کا حل ....''طلاق'' کے بعد ''آزاد

ہوگئی'' کہنے کا حکم..................ادارہ 32

کیا آپ جانتے ہیں؟...''رسوم افتاء واصولِ افتاء'' پر کلام (قسط20)....مفتی محمد رضوان 39

عبرت کدہ ....حضرت شمویل علیہ السلام (چوتھی وآخری قسط)....مولانا طارق محمود 53

طب وصحت..................سینے کے قلبی درد کو سمجھیں (انجائنا

Angina)..................حکیم مفتی محمد ناصر 57

اخبارِ ادارہ ....ادارہ کے شب وروز..................// // 59

www.idaraghufran.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آئینۂ احوال

مفتی محمد رضوان

حکومت کے خلاف خروج وسرکشی

ہمارے یہاں ایک عرصہ سے عوام کا مزاج یہ بن گیا ہے کہ حکومتِ وقت کی طرف سے پیش آنے والے ناپسندیدہ وناگوار اقدامات پر زبان درازی، بدکلامی وبدزبانی، اور پھر اس کے خلاف سرکشی اور''احتجاج وخروج'' کی مختلف تحریکات چلائی جاتی ہیں، اور موجودہ زمانہ کی یہ تحریکات چونکہ مختلف مزین عنوانات کو لئے ہوئے ہوتی ہیں، اور ایک عرصہ تک ان کا رواج ہوجانے کی وجہ سے ان سے اجنبیت اور وحشت ختم ہوجاتی ہے، اس لئے ان کے خلافِ شریعت اور گناہ ہونے کی طرف ادنیٰ توجہ بھی نہیں کی جاتی، بلکہ دین دار طبقہ تو ان پر دین ومذہب کا ایسا لیبل چڑھاتا ہے، جس سے مذہبی ودینی ذہن رکھنے والے عوام اس قسم کی تحریکوں کو عبادت اور کارِ خیر سمجھ کر ان میں حصہ لیتے ہیں، اور ان کی خاطر اپنی جان، مال تک کو داؤ پر لگا دیتے ہیں۔

اسی تناظر میں ہمارے یہاں اس طرح کا ماحول بن گیا ہے کہ شاید ہی کوئی مجلس، یا نشست، حکومت کے خلاف زبان درازی وبدکلامی سے خالی ہوتی ہو، جہاں کہیں دو چار افراد جمع ہوئے، حکومت کے خلاف بحث چھڑ جاتی ہے، اور ہر شخص خوب دل کھول کر اس میں اپنا حصہ ڈالتا ہے۔

بعض علماء نے منبر ومحراب کو بھی اسی کام کے لئے مختص سمجھ لیا ہے، جن کے نزدیک دین کا اہم کام اور سب سے بڑی خدمت حکومتِ وقت کے خلاف زبان درازی کرنا ہے، خواہ کسی بھی عنوان سے ہو، جب تک حکومتِ وقت کے خلاف تذکرہ نہ ہو، اور اس موضوع پر بات نہ ہو، تو گویا کہ دین کی تبلیغ کے مقاصد حاصل نہیں ہوتے، اور احقاقِ حق کا تقاضا پورا نہیں ہوتا۔

دینی رسائل ومجلّات پر نظر ڈالی جاتی ہے، تو ان میں بھی بہت سے مجلّات میں حکومت کے خلاف زبان درازی کرنے، رونے دھونے اور عوامی جذبات کو بھڑکانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

مذہبی سیاسی جماعتوں کے قائدین کے بہت سے بیانات، اور پریس کانفرنسیں بھی اسی قسم کی طعن

وتشنیع پر مشتمل باتوں کے اردگرد گھومتی ہیں۔

اور حد یہ ہے کہ مذہبی و دینی عنوان سے منعقد ہونے والے اجتماعات اور پروگراموں میں بھی اس قسم کے بیانات کو پذیرائی حاصل ہونے لگی ہے، جس سے ختمِ بخاری کے عنوان سے منعقد ہونے والے بہت سے اجتماعات بھی محفوظ نہ رہ سکے۔

اس صورتِ حال، اور طرزِ عمل کا جائزہ لینے سے محسوس ہوتا ہے کہ گویا کہ ہر طبقہ اور شعبہ کے افراد نے اپنے تمام مسائل ومصائب کا ذمہ دار حکومت کو سمجھ لیا ہے، جس میں نہ قدرت کے فیصلوں کا دخل وعمل ہے، نہ اپنی بداعمالیوں کا اس میں کوئی اثر ہے؟ نہ ہی اس سلسلہ میں غیبت و بہتان تراشی کے گناہ ہونے کی طرف توجہ ہے۔

اور ظاہر ہے کہ یہ ایمان اور عقیدہ کا زبردست بگاڑ ہے، جو دنیا وآخرت کے اعتبار سے تباہ کن ہے۔

پھر زیادہ حیران کن بات یہ ہے کہ جب کسی فرد، یا جماعت کو حکومتِ وقت کے ساتھ اور حزبِ اقتدار میں حصہ مل جاتا ہے، تو پھر اس کی زبان اور قلم خاموش ہو جاتا ہے، اور توپوں کا رُخ کسی دوسری، یا حزبِ اختلاف جماعت کی طرف ہو جاتا ہے۔

ہم بیشتر سیاسی جماعتوں، بلکہ بعض مخصوص مذہبی جماعتوں اور ان کے قائدین کے اس طرزِ عمل کا بیسیوں سالوں سے مشاہدہ کرتے آرہے ہیں، جن کے طرزِ عمل اور ردِ عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے اغراض ومقاصد، اور ذاتی مفادات کی خاطر عوام کے جذبات سے کھلواڑ کرتے ہیں، اور ان کو قربانی کا بکرا بناتے ہیں، اور خود ہر طرح سے عیش وعشرت کی زندگی بسر کرتے ہیں، اسمبلیوں سے بھاری بھرکم تنخواہیں بھی وصول کرتے ہیں، اور سیکورٹی گارڈوں کے بڑے بڑے دستے لے کر گھومتے پھرتے ہیں، اور بھی نہ جانے کیا کیا شاہی خرچیوں کے حصہ دار بنتے ہیں، جن کے اخراجات بھی عوامی ٹیکسوں سے برداشت کیے جاتے ہیں، اور ان کا بوجھ بھی قربانی کا بکرا بننے والے عوام کی جیبوں اور کاندھوں پر پڑتا ہے۔

اور پھر حکومت کے خلاف خروج وسرکشی کا خمیازہ بھی ملک کے غریب عوام کو ہی برداشت کرنا پڑتا ہے، راستوں اور گزرگاہوں میں تنگی، جلاؤ گھیراؤ، کاروبارِ زندگی کی بندش، اور افراتفری سے ملک کی ترقی رک

جاتی ہے، مہنگائی، بے روزگاری میں مزید اضافہ ہوتا ہے، فسادیوں اور دہشت گردوں کو اپنی سازشیں پروان چڑھانے، اور ملک کے امن وامان کو خراب کر کے، دنگا وفساد برپا کرنے کا موقع ملتا ہے۔

اس موقع پر سیاسی ومذہبی جماعتوں کے ان قائدین وکارکنان کو سمجھانا، بجھانا اور قائل کرنا، تو بظاہر مشکل ہے، جن کے ذاتی اغراض ومفادات پر ان باتوں سے زد پڑتی ہو، البتہ ہر شعبہ وطبقہ کے عوام سے گذارش کی جاسکتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو دوسروں کے مفادات کی بھینٹ نہ چڑھائیں، اور اپنے، اور اپنے اہل وعیال وماتحتوں کی دنیوی واخروی ذمہ داریوں کو سمجھیں، اور ان کو اداء کریں، اپنے ایمان وعقائد کو درست کریں، نماز، روزہ، زکاۃ، حج کو حسبِ وسعت اداء کریں، اپنے ذمہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کا اہتمام کریں، بطور خاص اپنے بیوی بچوں، اہل وعیال کو حلال کھلائیں، حلال پہنائیں، ان کی کھانے، پینے رہنے سہنے کی ضروریات کو اچھے طریقہ سے پورا کریں، قرض و دین کی ادائیگی کی فکر کریں۔

ہم نے اس قسم کے بے شمار لوگوں کا اپنی زندگی میں مشاہدہ کیا، جن کو نہ اپنے ایمان کی درستگی کی فکر، نہ نماز وروزہ اور حج کی ادائیگی اور گناہوں سے بچنے کا اہتمام، نہ قرض کی ادائیگی کا لحاظ، نہ بیوی بچوں اور بوڑھے والدین کے حقوق اور ضروریات کا خیال، اور وہ دوسروں کے مفادات کی خاطر دن ورات اپنے جان ومال کو خرچ کرتے پھرتے ہیں، حکومت کے خلاف خروج وبغاوت میں حصہ لیتے ہیں، اور اس کے نتیجہ میں بعض اوقات جان تک سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں، یا جیل کی سلاخوں کے پیچھے بے یارومددگار پڑے رہتے ہیں، جن کے بیوی، بچوں اور بوڑھے والدین کا پیچھے کوئی سہارا نہیں ہوتا، جو ذمہ میں قرض ہے، اس کو اداء کرنے والا کوئی نہیں ہوتا، جبکہ حقوق العباد اور بطور خاص دین وقرض کی ادائیگی کا معاملہ اتنا اہم ہے کہ شہید ہونے کے باوجود بھی یہ گناہ معاف نہیں ہوتا، مناسب معلوم ہوا کہ اس گفتگو کا اختتام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چند احادیث پر کر دیا جائے۔

حضرت جنادہ بن امیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

دَخَلْنَا عَلٰى عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ، وَهُوَ مَرِيضٌ، قُلْنَا: أَصْلَحَكَ اللّٰهُ، حَدِّثْ بِحَدِيثٍ يَنْفَعُكَ اللّٰهُ بِهِ، سَمِعْتَهُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: دَعَانَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَايَعْنَاهُ، فَقَالَ فِيمَا أَخَذَ عَلَيْنَا: أَنْ

بَایَعَنَا عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، فِي مَنْشَطِنَا وَمَكْرَهِنَا، وَعُسْرِنَا وَيُسْرِنَا وَأَثَرَةً عَلَيْنَا، وَأَنْ لَا نُنَازِعَ الْأَمْرَ أَهْلَهُ، إِلَّا أَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا، عِنْدَكُمْ مِنَ اللَّهِ فِيهِ بُرْهَانٌ (صحيح البخارى، رقم الحديث ٧٠٥٥،٧٠٥٦، كتاب الفتن، باب قول النبى صلى الله عليه وسلم :سترون بعدى أمورا تنكرونها)

ترجمہ: ہم حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے اور وہ بیمار تھے، ہم نے عرض کیا کہ اللہ آپ کوتن درست کرے، ہم سے کوئی ایسی حدیث بیان کیجئے، جو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو، جس سے اللہ نے آپ کو خاص نفع عطاء فرمایا ہو، تو انہوں نے فرمایا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا، ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی اور جن چیزوں کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم نے بیعت کی ، وہ یہ تھے کہ ہم (حاکم وحکمران کی) بات سننے اور اطاعت کرنے (اور کہنا ماننے) کی پابندی کریں گے، اپنی خوشی اور ناخوشی میں، تنگی اور آسانی میں اور ہم پر (دوسرے حکمرانوں ، یا لوگوں کو) ترجیح دیئے جانے میں، اور اس بات پر کہ ہم حکام سے، حکومت کے معاملات میں جھگڑا نہ کریں گے، سوائے اس کے کہ تم واضح طور پر کفر دیکھو، جس کی تمہارے پاس اس کے کفر ہونے پر اللہ کی طرف سے کوئی برھان (یعنی مضبوط دلیل) موجود ہو (بخاری)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

نَهَانَا كُبَرَاؤُنَا مِنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :لَا تَسُبُّوْا أُمَرَاءَ كُمْ وَلَا تَغِشُّوْهُمْ وَلَا تَبْغَضُوْهُمْ وَاتَّقُوْا اللّٰهَ وَاصْبِرُوْا فَإِنَّ الْأَمْرَ قَرِيْبٌ (السنة لابنِ ابى عاصم، رقم الحديث ١٠١٥ ،باب: فى ذكر قول النبى صلى الله عليه وآله وسلم:ليس المؤمن بالطعان ولا اللعان)

ترجمہ: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام میں سے ہمارے بڑوں نے منع فرمادیا ہے کہ تم اپنے حکمرانوں کو سب وشتم نہ کرو، اور نہ ان کے ساتھ دھوکہ دہی کرو،

---

[1] قال الالبانى فى تعليق السنة :إسناده جيد ورجاله ثقات وفى بعضهم كلام لا يضر (ظلال الجنة، تحت رقم الحديث ١٠١٥)

اور نہ ان کے ساتھ بغض رکھو، اور تم اللہ سے ڈرو، اور (حکمرانوں کی طرف سے پیش آمدہ آزمائشوں پر) صبر کرو، پس (اس طرح کرنے کے نتیجہ میں) معاملہ (یعنی کامیابی اور آزمائش سے نجات) قریب ہے (السنہ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: كُلُّكُمْ رَاعٍ فَمَسْئُوْلٌ عَنْ رَاعٍ عَلٰى أَهْلِ بَيْتِهٖ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْهُمْ، وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلٰى بَيْتِ بَعْلِهَا وَوَلَدِهٖ وَهِيَ مَسْئُوْلَةٌ عَنْهُمْ (بخاری، رقم الحديث ۲۵۵۴، كتاب العتق، باب كراهية التطاول على الرقيق، وقوله :عبدى أو أمتى)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک فرد، نگران (وذمہ دار) ہے، پس اُس سے اُس کے ماتحتوں (اور زیرِ نگرانی افراد اور ذمہ داریوں) کے بارے میں (قیامت کے دن) سوال کیا جائے گا، پس لوگوں کا امیر (اپنے ماتحت، یا زیرِ امارت افراد کا) نگران ہے، اور اُس سے لوگوں کے (حقوق) کے بارے میں سوال کیا جائے گا؛ اور آدمی اپنے گھر والوں کا نگران ہے، اور اُس سے گھر والوں کے (حقوق) کے بارے میں سوال کیا جائے گا؛ اور عورت اپنے شوہر کے گھر (اور اس میں موجود اشیاء کی) اور اس کی اولاد کی نگران ہے، اور اُس سے اُن (یعنی شوہر کے گھر اور اولاد) کے (حقوق) کے بارے میں سوال کیا جائے گا (بخاری)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ يُغْفَرُ لِلشَّهِيْدِ كُلُّ ذَنْبٍ إِلَّا الدَّيْنَ (صحيح مسلم، رقم الحديث ۱۸۸۶ "۱۱۹" كتاب الامارة، باب من قتل فى سبيل الله كفرت خطاياه إلا الدين)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شہید کا ہر گناہ معاف کر دیا جاتا ہے، سوائے دَین (وقرض) کے (مسلم)

درسِ قرآن (سورہ نساء: قسط: 15، آیت نمبر 20، 21) مفتی محمد رضوان

بیویوں کو دیئے گئے مہر و مال کو واپس لینے کی ممانعت

وَاِنۡ اَرَدۡتُّمُ اسۡتِبۡدَالَ زَوۡجٍ مَّكَانَ زَوۡجٍ ۙ وَّاٰتَيۡتُمۡ اِحۡدٰهُنَّ قِنۡطَارًا فَلَا تَاۡخُذُوۡا مِنۡهُ شَيۡـــًٔا ؕ اَتَاۡخُذُوۡنَهٗ بُهۡتَانًا وَّاِثۡمًا مُّبِيۡنًا ‏(20) وَكَيۡفَ تَاۡخُذُوۡنَهٗ وَقَدۡ اَفۡضٰى بَعۡضُكُمۡ اِلٰى بَعۡضٍ وَّاَخَذۡنَ مِنۡكُمۡ مِّيۡثَاقًا غَلِيۡظًا ‏(21)(سورة النساء)

ترجمہ: اور اگر ارادہ کرو تم ایک بیوی کے بدلنے کا دوسری بیوی کی جگہ، اور دے دیا ہو تم نے ان (بیویوں) میں سے کسی کو ڈھیر سا مال، تو مت لو تم اس میں سے کوئی چیز، کیا لو گے تم اس کو بہتان، اور واضح گناہ کے طور پر (20) اور کیسے لو گے تم اس کو اور پہنچ چکے ہیں تمہارے بعض، بعض کی طرف، اور لے لیا ہے ان (عورتوں) نے تمہاری طرف سے سخت عہد کو (21) (سورۃ النساء)

تفسیر وتشریح

مذکورہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہے، اور اس کی جگہ کسی دوسری عورت سے نکاح کرنا چاہے، تو جو مہر وہ پہلی بیوی کو دے چکا ہے، اس کو واپس لینا جائز نہیں، اور عورت پر بہتان لگا کر دیئے گئے مہر کو واپس لینا سنگین گناہ ہے، جبکہ عورت سے نکاح کے بعد صحبت کر لی ہو، اور نکاح میں بیوی کے مہر اور حقوق کی ادائیگی کا پختہ عہد شامل ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیوی کو اچھے طریقہ سے رکھنے، یا اچھے طریقہ پر چھوڑنے کا حکم ہے، پس مہر واپس لے کر اس حکم شکنی کا گناہ شدید ہے۔

البتہ اگر عورت برضا ورغبت وبخوشی کچھ، یا سارا مہر معاف کرنا چاہے، تو عورت کو اس کا بھی اختیار ہے۔

جیسا کہ سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا یہ حکم گذر چکا ہے کہ:

وَلَا يَحِلُّ لَكُمۡ اَنۡ تَاۡخُذُوۡا مِمَّآ اٰتَيۡتُمُوۡهُنَّ شَيۡـــًٔا اِلَّآ اَنۡ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيۡمَا

حُدُوْدَ اللّٰہِ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰہِ فَلَاجُنَاحَ عَلَیْھِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِہٖ تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰہِ فَلَاتَعْتَدُوْھَا وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ(سورۃ البقرۃ، آیۃ ۲۲۹)

ترجمہ: اور نہیں ہے حلال تمہارے لیے یہ کہ لوتم اس میں سے جوتم دے چکے ہو ان (عورتوں) کو کچھ بھی، مگر یہ کہ ڈریں وہ دونوں (میاں بیوی) اس بات سے کہ وہ نہ قائم رکھ سکیں گے اللہ کی حدود کو، پس اگر ڈرہو تمہیں یہ کہ نہیں قائم رکھ سکیں گے وہ دونوں اللہ کی حدود کو، تو کوئی گناہ نہیں ان دونوں پر اس (معاوضہ) میں جو فدیہ کے طور پر دے عورت، یہ اللہ کی حدود ہیں پس نہ تجاوز کروتم ان سے اور جو تجاوز کرتا ہے اللہ کی (مقررہ) حدوں سے تو وہی لوگ ظالم ہیں (سورہ بقرہ)

اور سورہ بقرہ میں ہی اللہ تعالیٰ کا یہ حکم گذر چکا ہے کہ:

فَاَمْسِکُوْھُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْھُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَلَا تُمْسِکُوْھُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَہٗ (سورۃ البقرۃ، رقم الآیۃ ۲۳۱)

ترجمہ: پس روکو تم ان (عورتوں) کو (نکاح میں) معروف طریقہ پر، یا چھوڑ دو تم ان کو معروف طریقہ پر اور نہ روکو تم ان کو ضرر کے طور پر، تاکہ زیادتی کرو تم، اور جو کرے گا یہ، تو یقیناً ظلم کیا اس نے اپنے آپ پر (سورہ بقرہ)

اور سورہ طلاق میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَأَمْسِکُوھُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوھُنَّ بِمَعْرُوفٍ (سورۃ الطلاق، رقم الآیۃ ۲)

ترجمہ: پس روکو تم ان (عورتوں) کو (نکاح میں) یا جدا کر دو تم ان کو معروف طریقہ پر (سورہ طلاق)

اور سورہ نساء میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان گذر چکا ہے کہ:

وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِھِنَّ نِحْلَۃً فَإِنْ طِبْنَ لَکُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْہُ نَفْسًا فَکُلُوہُ ھَنِیئًا مَرِیئًا (سورۃ النساء، رقم الآیۃ ۴)

ترجمہ: اور دے دو تم عورتوں کو ان کا مہر، عطیہ کے طور پر، پھر اگر خوشی سے دیں، وہ تم کو کوئی چیز اس (مہر) میں سے نفس کی، تو کھاؤ تم اس کو خوشی سے، رغبت سے (سورہ نساء)

یاد رہے کہ اگر نکاح کے بعد صحبت، اور مخصوص تنہائی سے پہلے طلاق کی نوبت آ جائے، تو جو مہر طے ہوا، شوہر پر اس کا آدھا حصہ واجب ہوا کرتا ہے۔

اور اگر نکاح کے بعد بیوی سے صحبت ہو چکی ہو، یا مخصوص تنہائی ہو چکی ہو (جس کو خلوتِ صحیحہ کہا جاتا ہے) تو جمہور فقہائے کرام کے نزدیک شوہر پر طے شدہ مکمل مہر واجب ہوا کرتا ہے۔

لیکن امام شافعی جدید قول کے مطابق اس طرف گئے ہیں کہ نکاح کے بعد جب تک باقاعدہ صحبت نہ ہوئی ہو، اگرچہ مخصوص خلوت وتنہائی (خلوتِ صحیحہ) ہو چکی ہو، تب بھی طے شدہ مہر کا نصف وآدھا حصہ ہی واجب ہوا کرتا ہے۔ [1]

پھر مہر کی زیادہ مقدار کی کوئی حد مقرر نہیں، مرد وعورت باہمی رضامندی سے جتنا زیادہ مہر چاہیں مقرر کر سکتے ہیں، جبکہ اس کو اداء کرنے کی قدرت ہو، پس جتنا مہر بھی باہمی رضامندی سے مقرر و طے کر لیا جائے، وہ شرعاً معتبر ہو جاتا ہے اور شوہر کے ذمہ میں لازم ہو جاتا ہے۔ [2]

---

[1] ذهب جمهور الفقهاء إلى أن مما يتأكد به المهر الخلوة الصحيحة التى استوفت شرائطها .فلو خلا الزوج بزوجته خلوة صحيحة ثم طلقها قبل الدخول بها فى نكاح فيه تسمية للمهر يجب عليه المسمى، وإن لم يكن فى النكاح تسمية يجب عليه كمال مهر المثل لقوله تعالى :(وإن أردتم استبدال زوج مكان زوج وآتيتم إحداهن قنطارا فلا تأخذوا منه شيئا أتأخذونه بهتانا وإثما مبينا وكيف تأخذونه وقد أفضى بعضكم إلى بعض)

وقد روى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال :من كشف خمار امرأته ونظر إليها وجب الصداق، دخل بها أو لم يدخل وهذا نص فى الباب.

وروى عن زرارة بن أبى أوفى أنه قال :قضى الخلفاء الراشدون المهديون أنه إذا أرخى الستور وأغلق الباب فلها الصداق كاملا، وعليها العدة، دخل بها أو لم يدخل، حكى الطحاوى فى هذه المسألة إجماع الصحابة من الخلفاء الراشدين وغيرهم.

وذهب الشافعى فى الجديد إلى أنه لا اعتبار بالخلوة فى تقرر المهر .لقوله تعالى :(وإن طلقتموهن من قبل أن تمسوهن وقد فرضتم لهن فريضة فنصف ما فرضتم) والمراد بالمس الجماع (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٩، ص٢٧٣، مادة"خلوة")

[2] مقدار المهر: لا خلاف بين الفقهاء فى أنه لا حد لأكثر المهر (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٩، ص١٦٠، مادة"مهر")

جہاں تک مہر کی کم از کم مقدار کا تعلق ہے، تو شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک مہر کی کم از کم کوئی مقدار مقرر نہیں، بلکہ ہر قیمت اور مالیت والی چیز کا مہر میں مقرر کرنا جائز ہے۔

لیکن حنفیہ کے نزدیک مہر کی کم از کم مقدار دس درہم (یعنی دو تولہ ساڑھے سات ماشہ) چاندی مقرر ہے، جس سے کم مالیت کا مہر مقرر کرنا، حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں۔

اور مالکیہ کے نزدیک مہر کی کم از کم مقدار، تین درہم (یعنی ساڑھے دس ماشہ) چاندی، یا اتنی مالیت مقرر ہے، جس سے کم مہر کو مقرر کرنا، ان کے نزدیک جائز نہیں۔ [1]

---

[1] وأما أقل المهر فقد اختلف الفقهاء فيه :فذهب الشافعية والحنابلة إلى أن أقل المهر غير مقدر بل كل ما جاز أن يكون ثمنا أو مبيعاأو أجرة أو مستأجرا جاز أن يكون صداقا قل أو كثر ما لم ينته فى القلة إلى حد لا يتمول.وبه قال من الصحابة عمر بن الخطاب وعبد الله بن عباس رضى الله عنهم؛ وهو قول الحسن البصرى وسعيد بن المسيب وعطاء وعمرو بن دينار وابن أبى ليلى والثورى والأوزاعى والليث وإسحاق وأبى ثور.
وحكى أن سعيدا زوج ابنته على صداق درهمين وقال :لو أصدقها سوطا لحلت.
وذهب الحنفية والمالكية وسعيد بن جبير والنخعي وابن شبرمة إلى أن المهر مقدر الأقل .
ثم اختلف هذا الفريق فى أدنى المقدار الذى يصلح مهرا.
فذهب الحنفية إلى أن أقل المهر عشرة دراهم فضة أو ما قيمته عشرة دراهم واستدلوا بقوله تعالى :(وأحل لكم ما وراء ذلكم أن تبتغوا بأموالكم) ؛ شرط سبحانه وتعالى أن يكون المهر مالا؛ ولا يطلق اسم المال على الحبة والدانق؛ فلا يصلح مهرا؛ وبما روى عن جابر رضى الله عنه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال :لا مهر دون عشرة دراهم .
وعن عمر وعلى وعبد الله بن عمر رضى الله عنهم أنهم قالوا :لا يكون المهر أقل من عشرة دراهم.
قال الكاسانى :والظاهر أنهم قالوا ذلك توقيفا لأنه باب لا يوصل إليه بالاجتهاد والقياس ؛ ولأن المهر حق الشرع من حيث وجوبه عملا بقوله تعالى :(قد علمنا ما فرضنا عليهم فى أزواجهم) ؛ وكان ذلك لإظهار شرف المحل فيتقدر بما له خطر -وهو العشرة -استدلالا بنصاب السرقة؛ لأنه يتلف به عضو محترم؛ فلأن يتلف به منافع بضع كان أولى .وإذا ثبت أن أقل المهر عشرة؛ فإذا سمى أقل من عشرة فتصح التسمية عند أبى حنيفة وأبى يوسف ومحمد؛ ويكمل المهر عشرة دراهم؛ لأن التقدير حق الشرع؛ فمتى قدر بأقل من عشرة فقد أسقطا حق أنفسهما ورضيا بالأقل فلا يصح فى حق الشرع؛ فيجب أدنى المقادير وهو العشرة .
وقال زفر :لها مهر المثل لأن تسمية ما لا يصلح مهرا كانعدامه؛ كما فى تسمية الخمر والخنزير .
ويرى المالكية أن أقل المهر ربع دينار ذهبا شرعيا أو ثلاثة دراهم فضة خالصة من الغش أو عرض مقوم بربع دينار أو ثلاثة دراهم من كل متمول شرعا طاهر منتفع به معلوم -قدرا وصنفا وأجلا -مقدور على تسليمه للزوجة .وقال ابن شبرمة :أقل المهر خمسة دراهم أو نصف دينار.
وقال إبراهيم النخعي :أقل المهر أربعون درهما؛ وعنه :عشرون درهما؛ وعنه :رطل من الذهب.
وقال سعيد بن جبير :أقله خمسون درهما (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۹، ص ۱۶۲ و۱۶۳، مادة"مهر")

www.idaraghufran.org

البتہ نکاح میں مہر کی بہت زیادہ مقدار مقرر کرنا بہتر نہیں، بطورِ خاص جب شوہر کو اس کی ادائیگی مشکل ہو، تو اس کی استطاعت سے زیادہ مقرر کرنا مکروہ ہے۔

اور اگر محض ریاء کاری ودکھلاوے کے طور پر زیادہ مہر مقرر کیا جائے، یا اس کو اداء کرنے کی نیت نہ ہو، تو پھر سخت گناہ ہے۔ [1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ مِنْ يُمْنِ الْمَرْأَةِ تَيْسِيْرَ خِطْبَتِهَا، وَتَيْسِيْرَ صَدَاقِهَا، وَتَيْسِيْرَ رَحِمِهَا (مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ٢٤٤٧٨) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت کے سعادت مند (اور بابرکت) ہونے میں یہ بھی داخل ہے کہ اس سے نکاح کا پیغام آسان ہو، اور اس کا مہر بھی آسان ہو، اور اسکے اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت بھی ٹھیک وآسان ہو (مسند احمد)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مِنْ يُمْنِ الْمَرْأَةِ تَسْهِيْلُ أَمْرِهَا وَقِلَّةُ صَدَاقِهَا (صحيح ابن حبان، رقم الحديث ٤٠٩٥، كتاب النكاح، باب الصداق) [3]

ترجمہ: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت کے سعادت مند (اور بابرکت) ہونے میں اس عورت کے معاملہ کا سہولت والا ہونا، اور اس کے مہر کا کم ہونا بھی داخل ہے (ابن حبان)

اگر میاں، بیوی میں طلاق، یا خلع کی نوبت آجائے، اور طلاق، یا خلع سے پہلے بیوی، شوہر کے

---

[1] المغالاة فى المهر: ذهب الفقهاء إلى استحباب عدم المغالاة فى المهور (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٩، ص١٦١ و ١٦٢، مادة "مهر")

[2] قال شعيب الارنؤوط: إسناده حسن (حاشية مسند احمد)

[3] قال شعيب الارنؤوط: إسناده حسن (حاشية صحيح ابن حبان)

www.idaraghufran.org

ساتھ کچھ مال کے عوض علیٰحدگی پر رضامند ہو، تو مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک جتنی مقدار پر باہمی معاملہ طے ہوجائے، خواہ وہ مہر، یا اس کا کچھ حصہ چھوڑنا ہو، یا مہر کے علاوہ کچھ اور مال ہو، اور مہر کی مقدار سے کم ہو، یا زیادہ ہو، اور شوہر بھی اس پر راضی ہو، تو ایسا کرنا جائز ہے۔

اور حنابلہ کے نزدیک شوہر کو مہر کی مقدار سے زیادہ لینا مستحب نہیں، بلکہ اگر شوہر، عورت کو کوئی معاوضہ لینے کی وجہ سے علیٰحدگی پر مجبور کرے، تو اس کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں۔ [1]

اور حنفیہ کے نزدیک یہ تفصیل ہے کہ اگر میاں بیوی کی علیٰحدگی کی وجہ شوہر کی طرف سے ظلم وزیادتی ہو، تو شوہر کے لئے عورت کو چھٹکارا دینے کے عوض کچھ لینا جائز نہیں، خواہ وہ مہر، یا اس کا کچھ حصہ ہو، یا کوئی اور چیز ہو، اور اس کی مقدار کم ہو، یا زیادہ ہو، لیکن اگر بیوی کی طرف سے ظلم وزیادتی کی وجہ سے جدائی لازم آرہی ہو، تو شوہر کو مہر، یا اس کے کچھ حصہ عوض میں لینا جائز ہے، لیکن مہر کی مقدار سے زیادہ لینا پھر بھی منع ہے۔

اور یہ حکم اس وقت ہے جب طلاق، یا خلع سے پہلے اس کے عوض میں میاں بیوی کے درمیان لین دین کا کوئی معاملہ طے ہوجائے۔ [2]

---

[1] جواز أخذ العوض من المرأة:

ذهب المالكية والشافعية إلى جواز أخذ الزوج عوضا من امرأته فى مقابل فراقه لها سواء كان العوض مساويا لما أعطاها أو أقل أو أكثر منه ما دام الطرفان قد تراضيا على ذلك، وسواء كان العوض منها أو من غيرها، وسواء كان العوض نفس الصداق أو مالا آخر غيره أكثر أو أقل منه.

وذهب الحنابلة إلى أن الزوج لا يستحب له أن يأخذ منها أكثر مما أعطاها بل يحرم عليه الأخذ إن عضلها ليضطرها إلى الفداء.

[2] وفصل الحنفية فقالوا :إن كان النشوز من جهة الزوج كره له كراهة تحريم أخذ شىء منها، لقوله تعالى :(وإن أردتم استبدال زوج مكان زوج وآتيتم إحداهن قنطارا فلا تأخذوا منه شيئا . ولأنه أوحشها بالفراق فلا يزيد إيحاشها بأخذ المال، وإن كان النشوز من قبل المرأة لا يكره له الأخذ، وهذا بإطلاقه يتناول القليل والكثير، وإن كان أكثر مما أعطاها وهو المذكور فى الجامع الصغير، لقوله تعالى :(فلا جناح عليهما فيما افتدت به) . وقال القدورى :إن كان النشوز منها كره له أن يأخذ منها أكثر مما أعطاها وهو المذكور فى الأصل (من كتب ظاهر الرواية) لقوله صلى الله عليه وسلم فى امرأة ثابت بن قيس :أما الزيادة فلا . وقد كان النشوز منها، ولو أخذ الزيادة جاز فى القضاء، وكذلك إذا أخذ والنشوز منه؛ لأن مقتضى ما ذكر يتناول الجواز والإباحة، وقد ترك العمل فى حق الإباحة لمعارض، فبقى معمولا فى الباقى (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ١٩، ص ٢٤٣، مادة"خلع")

درسِ حدیث مفتی محمد رضوان

احادیثِ مبارکہ کی تفصیل وتشریح کا سلسلہ

کلمہ تہلیل کا وزن

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

إِنَّ نُوحًا عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمَّا حَضَرَتْهُ الْوَفَاةُ، دَعَا ابْنَيْهِ، فَقَالَ: إِنِّي قَاصِرٌ، عَلَيْكُمَا الْوَصِيَّةَ، آمُرُكُمَا بِاثْنَتَيْنِ، وَأَنْهَاكُمَا عَنِ اثْنَتَيْنِ، أَنْهَاكُمَا عَنِ الشِّرْكِ وَالْكِبْرِ، وَآمُرُكُمَا بِلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، فَإِنَّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا فِيهِمَا لَوْ وُضِعَتْ فِي كِفَّةِ الْمِيزَانِ، وَوُضِعَتْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فِي الْكِفَّةِ الْأُخْرَى، كَانَتْ أَرْجَحَ، وَلَوْ أَنَّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا حَلْقَةً، فَوُضِعَتْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ عَلَيْهِمَا، لَفَصَمَتْهُمَا، أَوْ لَقَصَمَتْهُمَا، وَآمُرُكُمَا بِسُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ، فَإِنَّهَا صَلَاةُ كُلِّ شَيْءٍ، وَبِهَا يُرْزَقُ كُلُّ شَيْءٍ

(مسند احمد، رقم الحدیث ٧١٠١)[1]

ترجمہ: جب (اللہ کے جلیل القدر نبی حضرت) نوح علیہ السلام کی وفات کا وقت آیا، تو انہوں نے اپنے دونوں بیٹوں کو بلا کر فرمایا کہ بے شک میں نے تمہیں وصیت کرنے میں کوتاہی کی، میں تم دونوں کو دو چیزوں کا حکم دیتا ہوں اور تم دونوں کو دو چیزوں سے منع کرتا ہوں، ایک تو میں تمہیں شرک سے منع کرتا ہوں اور دوسرے کبر سے منع کرتا ہوں، اور میں ایک تو تمہیں لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ کا حکم دیتا ہوں، کیونکہ اگر آسمان اور زمین اور اس کی درمیان کی تمام چیزوں کو میزان کے ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے، اور کلمہ ''لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ'' کو دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے، تو اس کلمہ والے کا وزن زیادہ بھاری ہو جائے گا، اور اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمین ایک حلقہ ہوتیں، پھر لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ

[1] قال شعيب الأرنؤوط: إسناده صحيح (حاشية مسند احمد)

www.idaraghufran.org

کوان دونوں پر رکھا جاتا، تو یہ (اپنے وزن اور بھاری پن کی وجہ سے) اس حلقہ کو توڑ دیتا، اور دوسرے میں تم دونوں کو سُبۡحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمۡدِہٖ (پڑھنے) کا حکم دیتا ہوں، کیونکہ یہ کلمات ہر مخلوق کی نماز ہے اور اس کے ذریعے ہر مخلوق کو رزق دیا جاتا ہے (مسند احمد)

اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللّٰہَ سَیُخَلِّصُ رَجُلًا مِنۡ أُمَّتِیۡ عَلٰی رُءُوۡسِ الۡخَلَائِقِ یَوۡمَ الۡقِیَامَۃِ ،فَیَنۡشُرُ عَلَیۡہِ تِسۡعَۃً وَّتِسۡعِیۡنَ سِجِلًّا کُلُّ سِجِلٍّ مِثۡلُ مَدِّ الۡبَصَرِ، ثُمَّ یَقُوۡلُ أَتُنۡکِرُ مِنۡ ھٰذَا شَیۡئًا، أَظَلَمَکَ کَتَبَتِی الۡحَافِظُوۡنَ، فَیَقُوۡلُ لَا یَا رَبِّ، فَیَقُوۡلُ أَفَلَکَ عُذۡرٌ؟ فَیَقُوۡلُ لَا یَا رَبِّ فَیَقُوۡلُ بَلٰی، إِنَّ لَکَ عِنۡدَنَا حَسَنَۃً فَإِنَّہٗ لَا ظُلۡمَ عَلَیۡکَ الۡیَوۡمَ ،فَتَخۡرُجُ بِطَاقَۃٌ فِیۡھَا "أَشۡھَدُ أَنۡ لَّا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ وَأَشۡھَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبۡدُہٗ وَرَسُوۡلُہٗ" فَیَقُوۡلُ اُحۡضُرۡ وَزۡنَکَ ،فَیَقُوۡلُ یَا رَبِّ مَا ھٰذِہِ الۡبِطَاقَۃُ مَعَ ھٰذِہِ السِّجِلَّاتِ ؟فَقَالَ إِنَّکَ لَا تُظۡلَمُ، قَالَ فَتُوۡضَعُ السِّجِلَّاتُ فِیۡ کَفَّۃٍ ، وَالۡبِطَاقَۃُ فِیۡ کَفَّۃٍ، فَطَاشَتِ السِّجِلَّاتُ وَثَقُلَتِ الۡبِطَاقَۃُ ،فَلَا یَثۡقُلُ مَعَ اِسۡمِ اللّٰہِ شَیۡءٌ (سنن الترمذی،رقم الحدیث ۲۶۳۹، ابواب الإیمان، باب ما جاء فیمن یموت وھو یشھد أن لا إلہ إلا اللہ،مسند احمد، رقم الحدیث ۶۹۹۴) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلاشبہ اللہ میری امت میں سے کسی شخص کو قیامت کے دن تمام مخلوقات کے سامنے حاضر کرے گا، پھر اس کے سامنے ننانوے رجسٹر (اعمال کے) پھیلائے گا، ہر رجسٹر تاحدِ نظر پھیلا ہوا ہوگا (وسیع وعریض ہوگا) پھر اللہ فرمائے گا کہ کیا تو اس لکھے ہوئے میں سے کسی چیز کا انکار کرتا ہے کہ میرے لکھنے والے نگہبان فرشتوں نے تجھ پر کوئی ظلم کیا ہو (کہ ناکردہ جرائم تیرے کھاتے میں ڈال دیے ہوں) تو وہ کہے گا کہ نہیں اے میرے رب! پھر اللہ فرمائے گا کہ کیا تیرے پاس کوئی عذر ہے؟ تو وہ کہے گا کہ نہیں اے میرے رب! پھر اللہ فرمائے گا کہ ہاں، ہمارے

---

[1] قال الترمذی:ھذا حدیث حسن غریب.
وقال شعیب الأرنؤوط : إسنادہ قوی(حاشیۃ مسند احمد)

www.idaraghufran.org

پاس تیری ایک نیکی ہے، اس لیے کہ آج کے دن تجھ پر کوئی ظلم نہ ہوگا، پس کاغذ کا ایک ٹکڑا نکالا جائے گا، جس میں ''أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰـــهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ '' لکھا ہوا ہوگا، پھر اللہ فرمائے گا کہ اس کو میزانِ عمل پہ لے جاؤ، تو وہ کہے گا کہ اے میرے رب! اس ذرا سے ٹکڑے کا گناہوں کے اتنے بڑے بڑے رجسٹروں کے مقابلے میں کیا وزن ہوگا؟ تو اللہ فرمائے گا کہ آج تجھ پر کوئی ظلم نہ ہوگا (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے) فرمایا کہ پس یہ اعمال کے رجسٹر ایک پلڑے میں اور کلمۂ شہادت لکھا ہوا کاغذ کا ٹکڑا، دوسرے پلڑے میں رکھا جائے گا، تو وہ رجسٹر (یعنی رجسٹروں والا پلڑا) اُڑنے لگے گا (ہلکا وخفیف ٹھہرے گا) اور کاغذ کے ٹکڑے والا پلڑا بھاری اور بوجھل رہے گا، پس اللہ کے نام کے برابر کوئی چیز وزنی نہیں ہوسکتی

(ترمذی، مسند احمد)

شاہ ولی اللہ کے فقہی افکار (جلد اول)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی علمی وفقہی فکر اور مقام وفیضان پر کلام، برِصغیر، پاک وہند کے اہلِ مدارس واصحابِ علم کی شاہ ولی اللہ سے نسبت، اجتہاد وتقلید پر ''فکرِ ولی اللہ'' کا عادلانہ، منصفانہ اور غیر متعصّبانہ جائزہ، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے اعتدال پر مبنی متعدد علمی وفقہی افکار ومناظر، اجتہاد کے انقطاع واستمرار، اجتہاد کے مراتب ودرجات، ان کی تقسیم وتفریق، مجتہدِ مطلق وجزوی کی شرائط، مجتہد کے مصیب ومخطی، اور ماجور وماخوذ ہونے کی بحث، جائز وناجائز، حلال وحرام تقلید، ائمہ اربعہ کی تقلید، مذہبِ معین وتقلیدِ شخصی کا التزام، تلفیق، تتبع رخص، انتقالِ مذہب، اختیارِ اخف، اور قضائے قاضی وغیرہ کی بحث، وجوبِ مذہبِ معین وتقلیدِ شخصی کے موقف ومستدلات کا علمی وفقہی جائزہ

شاہ ولی اللہ کے فقہی افکار (جلد دوم)

شاہ وولی اللہ صاحب کی تصریحات وعبارات اور دیگر تائیدات کے تناظر میں، فروعی وفقہی مسائل میں ترجیح وتطبیق، اور افضل وغیر افضل کی بحث، امام ابنِ تیمیہ حنبلی کے بعض علمی وفقہی افکار وآراء کا معتدلانہ ومنصفانہ جائزہ، ''تقلیدِ مطلق وتقلیدِ غیر شخصی'' اور ''مذہبِ معین وتقلیدِ شخصی'' پر علمی کلام، تلفیق، تتبع رخص، انتقالِ مذہب، اختیارِ اخف، وغیرہ کی علمی وفقہی تحقیق، اس سلسلہ میں پیش کردہ مستدلات وشبہات پر علمی وفقہی تبصرہ

مؤلف: مفتی محمد رضوان خان

مقالات ومضامین

مفتی محمد رضوان

افادات وملفوظات

حضرت خضر کے متعلق چند احادیث کی حیثیت

(15- ربیع الاول- 1448ھ)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں پائے جانے والے، حضرت خضر کے متعلق کئی عجیب وغریب باتیں، اور حدیثیں مشہور ہوگئی ہیں۔

جبکہ حضرت خضر کے متعلق اس قسم کی چیزوں کا تعلق عقائد سے ہے، اور عقائد کا معاملہ زیادہ نازک اور خطرناک ہے، جن کے ثبوت کے لئے مضبوط دلیل کی ضرورت ہوا کرتی ہے، ضعیف احادیث بھی اس میں معتبر نہیں ہوا کرتیں۔

حضرت خضر کے متعلق بعض باتیں تو ضعیف احادیث میں آئی ہیں، اور بعض شدید ضعیف، یا جھوٹی احادیث میں آئی ہیں، جن کے مطابق آج بہت سے لوگوں نے عقیدہ بنالیا ہے، جس سے اجتناب کی ضرورت ہے۔

مثلاً ایک حدیث یہ مشہور ہے کہ:

”عرفات میں ہر سال یومِ وقوفِ عرفہ کے موقع پر حضرت جبریل ومیکائیل، اسرافیل، اور حضرت خضر جمع ہوتے ہیں، پھر حضرت جبریل یہ کلمات کہتے ہیں کہ ”ما شاء الله لا قوة إلا بالله“ جس کے جواب میں حضرت میکائیل یہ کلمات کہتے ہیں کہ ”ما شاء الله كل نعمة من الله“ جس بعد حضرت اسرافیل یہ کلمات کہتے ہیں کہ ”ما شاء الله الخير كله بيد الله“ پھر اس کے جواب میں حضرت خضر یہ کلمات کہتے ہیں کہ ”ما شاء الله لا يصرف السوء إلا الله“

پھر یہ سب حضرات ایک دوسرے سے جدا ہوجاتے ہیں، اور اس کے بعد اگلے سال

وقوفِ عرفہ کے موقع پر ہی میدانِ عرفات میں دوبارہ جمع ہوتے ہیں۔

اور جو شخص صبح نیند سے بیدار ہونے کے وقت مذکورہ چاروں کلمات کہے، تو سورج غروب ہونے تک اللہ، اس کے لئے چار فرشتوں کو حفاظت کے لئے مقرر فرمادیتا ہے، وہ چاروں فرشتے اس شخص کی چاروں طرف سے حفاظت کرتے ہیں، حضرت جبریل والے کلمات کہنے کی وجہ سے ایک فرشتہ سامنے سے، اور حضرت میکائیل والے کلمات کہنے کی وجہ سے ایک فرشتہ دائیں طرف سے، اور حضرت اسرافیل والے کلمات کہنے کی وجہ سے ایک فرشتہ بائیں طرف سے اور حضرت خضر والے کلمات کہنے کی وجہ سے ایک فرشتہ پیچھے سے ہر قسم کی بلاء و آفت، اور ظلم و زیادتی، اور دشمن اور حاسد وغیرہ سے اس کی حفاظت کرتا ہے۔

اور جو شخص وقوفِ عرفہ کے دوران سورج غروب ہونے سے پہلے یہ کلمات سو مرتبہ پڑھ لے، تو اللہ تعالیٰ عرش کے اوپر سے یہ نداء فرماتا ہے کہ اے میرے بندے! تو مجھ سے راضی ہوگیا ہے، اور میں تجھ سے راضی ہوگیا ہوں، پس تو مجھ سے جو چاہے، مانگ لے، پس میری عزت کی قسم! میں قسم کھاتا ہوں کہ تجھے ضرور بالضرور عطاء کروں گا''

اس حدیث کو ابنِ عساکر نے ''تاریخِ دمشق'' میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت کیا ہے۔ [1]

---

[1] قرأت على أبى محمد عبد الكريم بن حمزة عن أبى بكر الخطيب أخبرنى عبد العزيز بن على الأزجى نا محمد بن على بن عطية الحارثى نا على بن الحسن الجهضمى نا ضمرة بن حبيب المقدسى نا أبى نا العلاء بن زياد النشيرى عن عبد الله بن الحسن عن أبيه عن جده عن على بن أبى طالب قال قال رسول الله (صلى الله عليه وسلم) يجتمع كل يوم عرفة بعرفات جبريل وميكائيل وإسرافيل والخضر فيقول جبريل ما شاء الله لا قوة إلا بالله فيرد عليه ميكائيل ما شاء الله كل نعمة من الله فيرد عليه إسرافيل ما شاء الله الخير كله بيد الله فيرد عليه الخضر ما شاء الله لا يصرف السوء إلا الله ثم يتفرقون عن هذه الكلمات فلا يجتمعون إلى قابل فى ذلك اليوم قال رسول الله (صلى الله عليه وسلم) فما من أحد يقول هؤلاء الأربع مقالات حين يستيقظ من نومه إلا وكل الله به أربعة من الملائكة يحفظونه صاحب مقالة جبريل من بين يديه وصاحب مقالة ميكائيل عن يمينه وصاحب مقالة إسرافيل عن يساره وصاحب مقالة الخضر من خلفه إلى أن تغرب الشمس من كل آفة وعاهة وعدو وظالم وحاسد قال رسول الله (صلى الله عليه وسلم) وما من أحد

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

لیکن اس کی سند میں بعض راوی مجہول اور بعض کذاب اور جھوٹے ہیں، جس کی وجہ سے اس حدیث کو متعدد محدثین واہلِ علم حضرات نے جھوٹی قرار دیا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يقولها في يوم عرفة مائة مرة من قبل غروب الشمس إلا ناداه الله تعالى من فوق عرشه أى عبدى قد أرضيتنى وقد رضيت عنك فسلنى ما شئت فبعزتى حلفت لأعطينك (تاريخ دمشق لابنِ عساكر، ج١٦، ص ٤٢٧، حرف الخاء،ذكر من اسمه الخضر)

[1] موضوع.أخرجه ابن عساكر فى "تاريخ دمشق "(648 - 5/647) ، وابن الجوزى فى "الموضوعات"(198 - 1/196) كلاهما من طريق الخطيب -ولم أره فى "تاريخ بغداد - "عن محمد بن على بن عطية الحارثى :نا على بن الحسن الجهضمى :نا ضمرة بن حبيب المقدسى :نا أبى :نا العلاء بن زياد القشيرى عن عبد الله بن الحسن عن أبيه عن جده عن على بن أبى طالب مرفوعا .وقال ابن الجوزى":باطل، فيه عدة مجاهيل ."

قلت :كأنه يشير إلى من دون عبد الله بن الحسن .وذلك معنى قول الذهبى فى ترجمة ضمرة هذا ":جاء فى إسناد مجهول بمتن باطل ."ثم ساق له هذا الحديث .وذكر نحوه شيخه المزى فى "تهذيب الكمال " فقال (13/316)": وهو حديث منكر، وإسناد مجهول."

وتبعه الحافظ فى "تهذيبه "إلا أنه بين الجهالة فقال":رواته مجاهيل ."

وذكره ابن كثير فى "البداية "(1/333) من رواية ابن عساكر بطرفه الأول فقط وقال":وذكر حديثا طويلا موضوعاً تركنا إيراده قصدا، ولله الحمد."

ولكنه قال فى على بن الحسن الجهضمى":وهو كذاب ."

وهذا مما لم أجد له سلفا .والله أعلم.

وأما السيوطى فتعقب ابن الجوزى بقوله فى "اللآلى "(1/168)": قلت :أخرجه ابن الجوزى فى "الواهيات "من طريق عبيد بن إسحاق العطار عن محمد بن ميسرة عن عبد الله بن الحسن ...به .وعبيد: متروك.والله أعلم ."

وتبعه ابن عراق فى "تنزيه الشريعة "(1/235) ! وزاد على السيوطى فقال ردا على قول ابن الجوزى المتقدم":ذلك لا يقتضى الحكم عليه بالوضع !"وتعقبه المعلق عليه بقوله ":بل يقتضى الوضع مع ضميمة نكارة المعنى، وإذا كان الحفاظ يحكمون بوضع الحديث لنكارة معناه مع ثقة رجاله؛ فكيف لا يحكم بوضعه مع جهالة رجاله؟." !

قلت :وهذا حق، ولكنهم فاتهم جميعا علة الحديث الحقيقية، وهى محمد ابن على بن عطية هذا، فقد رواه الخطيب من طريق شيخه عبد العزيز بن على الأزجى عنه .وقد ترجم له فى "التاريخ"(3/89) فقال ":محمد بن على بن عطية أبو طالب المعروف بـ (المكى) ، صنف كتابا سماه "قوت القلوب "على لسان الصوفية، ذكر فيه أشياء منكرة مستشنعة فى الصفات .حدثنى عنه محمد بن المظفر الخياط، وعبد العزيز بن على الأزجى ...وقدم بغداد، فاجتمع الناس عليه فى مجلس الوعظ، فخلط فى كلامه، وحفظ عنه أنه قال :ليس على الخلوقين أضر من الخالق !فبدعه الناس وهجروه."

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اسی طرح حضرت خضر کے متعلق ایک حدیث یہ بیان کی جاتی ہے کہ:

’’حضرت خضر اور حضرت الیاس علیہما السلام حج کے موسم میں منیٰ میں ملاقات کرتے ہیں، اور ایک دوسرے کا سر مونڈتے ہیں، اور پھر یہ کلمات کہہ کر ایک دوسرے سے جدا ہوجاتے ہیں کہ:

’’بسم الله ما شاء الله، لا يسوق الخير الا الله، ما شاء الله لايصرف السوء الا الله، ما شاء الله، ما كان من نعمة فمن الله؛ ماشاء الله، لا حول ولا قوة الا بالله‘‘

اور جو شخص صبح اور شام تین مرتبہ ان کلمات کو کہہ لے، تو اللہ اس کو پانی میں غرق ہونے سے، اور آگ میں جلنے سے اور چوری ہونے سے اور شیطان اور حکمران اور سانپ، اور بچھو سے محفوظ فرمالے گا‘‘

اس حدیث کو ابنِ عدی وغیرہ نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت کیا ہے، اور اس کی سند کو منکر کہا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وله ترجمة فى "الميزان "و "اللسان "و "الشذرات "(!120 /3وفى "السير"و"المغنى فى الضعفاء " للذهبى .هذه هى علة الحديث، فمن فوق أبى طالب هذا من المجاهيل؛ الذين لم يعرفهم أحد من الحفاظ، الظاهر أنهم من تخاليطه، ولعل ذلك من مبالغته فى تجويع نفسه باسم الرياضة والزهد، حتى قيل :إنه هجر الطعام زمانا، واقتصر على أكل الحشائش المباحة !وخير الهدى هدى محمد صلى الله عليه وسلم.

ثم قال ابن الجوزى عقب الحديث ":وقد أغرى خلق كثير من المهووسين بأن الخضر حى إلى اليوم، ورووا أنه التقى بعلى بن أبى طالب وبعمر بن عبد العزيز، وأن خلقا كثيرا من الصالحين رأوه .وصنف بعض من سمع الحديث ولم يعرف علله كتابا جمع فيه ذلك، ولم يسأل عن أسانيد ما نقل، وانتشر الأمر إلى أن جماعة من المتصنعين بالزهد يقولون :رأيناه وكلمناه، فواعجبا ألهم فيه علامة يعرفونه بها؟ !وهل يجوز لعاقل أن يلقى شخصا فيقول له الشخص :أنا الخضر، فيصدقه؟." !

وقد جمع الحافظ الأحاديث الواردة فى الخضر عليه السلام وحياته ولقائه للنبى صلى الله عليه وسلم وبين عللها فى ترجمة الخضر عليه السلام من كتابه "الإصابة."

ومن ذلك الحديث الآتى:(سلسلة الاحاديث الضعيفة،رقم الحديث ٥٠ ٦٢)

[1] حدثنا أحمد بن الحسين الصوفى، حدثنا محمد بن أحمد بن زبدة المذارى، حدثنا عمرو بن عاصم، حدثنا الحسن بن رزين، عن ابن جريج، عن عطاء ، عن ابن عباس قال، ولا أعلمه إلا مرفوعا إلى النبى صلى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اورامام عقیلی نے بھی ''الضعفاءُ الکبیر'' میں اس کو تھوڑے الفاظ کے فرق کے ساتھ، روایت کر کے اس کی سند کے قابلِ اطمینان نہ ہونے کا اظہار کیا ہے۔ [1]

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی سند کے ضعیف ہونے میں تو شبہ نہیں، بعض نے اس کو موضوع ومنگھڑت بھی کہا ہے، بہرحال اس قسم کی احادیث وروایات پر عقید رکھنے سے بچنا چاہیے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الله عليه وسلم قال :يلتقى الخضر وإلياس عليهما السلام كل عام بالموسم بمنى فيحلق كل واحد منهما رأس صاحبه فيتفرقان عن هؤلاء الكلمات بسم الله ما شاء الله لا يسوق الخير إلا الله ما شاء الله لا يصرف السوء إلا الله ما شاء الله ما كان من نعمة فمن الله ما شاء الله لا حول، ولا قوة إلا بالله قال ابن عباس من قالهن حين يصبح وحين يمسى أمنه الله عز وجل من الغرق والحرق والسرق وأحسبه قال ومن الشيطان والسلطان ومن الحية والعقرب.

قال الشيخ :ولا أعلم يروى هذا، عن ابن جريج بهذا الإسناد غير الحسن بن رزين هذا وليس بالمعروف، وهو من رواية عمرو بن عاصم عنه وهذا الحديث بهذا الإسناد منكر(الكامل فى ضعفاء الرجال، ج۳، ص ۱۷۵ ''من ابتداء اسمه حاء ''تحت الترجمة:الحسن بن رزين)

[1] حدثنى محمد بن الحسين ، والخضر بن داود ، قالا :حدثنا محمد بن أحمد بن زيد المذارى قال : حدثنا عمرو بن عاصم قال :حدثنا الحسن بن رزين قال :حدثنا ابن جريج ، عن عطاء ، عن ابن عباس ، عن النبى عليه السلام قال : يلتقى الخضر وإلياس فى كل موسم ، فإذا أرادا أن يتفرقا تفرقا على هذه الكلمات : بسم الله ما شاء الله لا يسوق الخير إلا الله ولا يصرف السوء إلا الله ما شاء الله ما تكن من نعمة فمن الله ما شاء الله لا حول ولا قوة إلا بالله فمن قالها إذا أمسى أمن من الحرق والغرق والشرق حتى يصبح ، ومن قالها إذا أصبح ثلاث مرات أمن من الحرق والغرق والشرق حتى يمسى حدثنا محمد بن خزيمة بن راشد قال : حدثنا محمد بن كثير العبدى قال :حدثنا الحسن بن رزين ، عن ابن جريج ، عن عطاء ، عن ابن عباس ، نحوه موقوفا ولا يتابع عليه مسندا ولا موقوفا(الضعفاء الكبير للعقيلى، ج۲، ص۱۴۳ ،باب الحاء)

[2] موضوع.

أخرجه العقيلى فى "الضعفاء ، (225 - 1/224) ، وابن عدى فى "الكامل "(2/328) ، وابن شاذان فى "المشيخة الصغرى "(ق 54/2رقم 52) ، وابن عساكر (5/647) ، وابن الجوزى فى "الموضوعات، (196 - 1/195) من طريق الحسن بن رزين عن ابن جريج عن عطاء عن ابن عباس مرفوعا وموقوفا . وقال ":الحسن بن رزين بصرى مجهول، ولا يتابع عليه مسندا ولا موقوفا ."وذكر ابن عدى نحوه، وقال":والحديث بهذا الإسناد منكر ."وقال ابن الجوزى بعد أن ذكر كلام العقيلى":وقال ابن المنادى: هذا حديث واه بالحسن بن رزين، والخضر وإلياس مضيا لسبيلهما ."قال الحافظ عقبه ":وقد جاء من غير طريقه؛ لكن من وجه واه جدا، أخرجه ابن الجوزى فى "الواهيات "، وفيه أحمد بن عمارة متروك عند الدارقطنى، ومهدى بن هلال مثله، وقال ابن حبان :مهدى بن هلال يروى الموضوعات (سلسلة الاحاديث الضعيفة،رقم الحديث ۱۲۵۱)

علم کے مینار　(امت کے علماء وفقہاء: قسط68)　مفتی غلام بلال

مسلمانوں کے علمی کارناموں وکاوشوں پر مشتمل سلسلہ

فقہ مالکی، منہج، تلامذہ، کتب، مختصر تعارف (چھیالیسواں حصہ)

تبصرۃُ الحکام :

''تبصرۃ الحکام'' مالکی فقہ میں اسلامی نظامِ عدل، قضاء، شہادت، دعویٰ، اور عدالتی طریقہ کار پر لکھی گئی ایک شہرہ آفاق اور جامع ترین کتاب ہے، اس کے مصنف آٹھویں صدی ہجری کے مشہور عالم اور مدینہ منورہ کے نامور مالکی فقیہ و قاضی ''ابن فرحون مالکی'' (متوفی: 719ھ، بمطابق 1358ء) ہیں، جن کا پورا نام ''برھان الدین ابراھیم بن علی بن محمد بن فرحون'' ہے، جن کی تصنیفات کو دینی وعلمی خدمات میں خاص مقام حاصل ہے، مختلف موضوعات پر کتابیں تالیف کیں، جیسا کہ فقہ، تاریخ، سیرت اور قضاء وغیرہ۔

علامہ ابن فرحون مالکی کی مذکورہ کتاب ''تبصرۃ الحکام'' کا موضوع'' فقہُ القضاء ''یعنی قضاء وعدلیہ اور عدالتی نظام ہے، جس کا پورا نام ''تبصرۃُ الحکام فی أصول الأقضیۃ ومناھج الأحکام'' ہے، جس میں آدابُ القاضی، آدابِ قضاء (Judicial Ethics) عدالتی اصول، شہادت، اقرار، دعویٰ، فیصلوں کے طریقہ کار، فقہی مسائل اور فقہی آراء کی بنیاد پر عملی عدالتی فیصلوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے، جن کا سامنا قاضیوں اور مفتیوں کو پیش آتا ہے، جو کہ مالکی فقہ کے عدالتی نظام اور اصولوں پر مشتمل ایک نادر ومفید ذریعہ ہے۔

مالکی علماء کے نزدیک یہ کتاب بابُ القضاء میں نہایت بلند مقام رکھتی ہے، اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ بعد کے مالکی فقہاء اور قاضی حضرات اسے عدالتی مسائل میں بنیادی مرجع کے طور پر استعمال کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ منقول ہے کہ کئی ممالک کے اسلامی فقہی نظام میں اس کتاب سے استفادہ کیا گیا ہے، جس سے کتاب کی اہمیت کا بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے، اور یہ کتاب آج بھی قاضیوں، مفتیوں اور اسلامی عدالتی نظام کے محققین کے لیے نہایت مفید ہے۔

www.idaraghufran.org

کتاب کی بنیادی تقسیم اور خصوصیات

علامہ ابن فرحون نے مذکورہ کتاب کونہایت جامع اور مدلل انداز میں تین بڑے حصوں میں تقسیم کیا ہے:

(1)...... پہلا حصہ مقدمات قضاء:

اس حصے میں اسلامی نظامِ قضاء کی فضیلت، جج یا قاضی کے تقرر کے طریقے، ان کی شرائط،اور عدالت کے بنیادی ارکان وآداب پر بحث کی گئی ہے۔

(2)......دوسرا حصہ وسائلِ اثبات:

یہ کتاب کا سب سے بڑا حصہ ہے، جو کہ ستر (70)ابواب پر مشتمل ہے، جن میں مقدمات کے فیصلوں کے لیے شواہد،ثبوت (جیسے گواہی، اقرارِ جرم، قسم،اور دستاویزی ثبوت وغیرہ) کے احکام بیان کیے گئے ہیں۔

(3)......تیسرا حصہ سیاستِ شرعیہ:

یہ اس کتاب کا سب سے اہم حصہ ہے، جس میں حکومتی وانتظامی قوانین، جرائم کی روک تھام، اسلامی طرزِ حکمرانی، انتظامی قانون (Administrative Law)سدِ ذرائع (یعنی برائی کے راستوں کو بند کرنے) تعزیراتی سزاؤں اور دیگر اہم حکومتی وعدالتی معاملات پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔

علاوہ ازیں مصنف کیونکہ خود بھی مدینہ منورہ کے قاضی تھے، اس لیے انہوں نے کتاب کو صرف نظریاتی اور عمومی انداز میں تالیف نہیں کیا، بلکہ اپنے عدالتی تجربات کو بھی شامل کیا، اور فقہی کلیات وقواعد کو اس طریقے سے جمع کیا، جن کی مدد سے قاضی یا مفتی نئے اور پیچیدہ مسائل کا حل آسانی سے نکال سکتا ہے ، جس کی بناء پر یہ کتاب اسلامی طرزِ حکمرانی اور انتظامی قانون (Administrative Law) کے لیے ایک بہترین ماخذ سمجھی جاتی ہے۔

کتاب اگر چہ بنیادی طور پر فقہ مالکی کے مطابق ہے، لیکن مصنف رحمہ اللہ نے بوقتِ ضرورت دیگر فقہی مکاتب جیسا کہ حنفی، شافعی، حنبلی کے دلائل کا بھی ذکر کیا ہے۔

چنانچہ ان خصوصیات کی بناء پر یہ کتاب دورِ حاضر میں اسلامی قانونِ شہادت اور عدالتی طریقہ کار

(Law of Evidacne & Procedure) کو سمجھنے کے لیے آج بھی ایک اہم اور معاون مرجع (Reference Book) مانی جاتی ہے۔

دیگر کتب

"تبصرة الحكام" کے علاوہ علامہ ابن فرحون مالکی کی ایک اور کتاب "الدیباجُ المذهب" بھی ہے، جو کہ مالکی فقہاء وعلماء کی سوانح حیات، مکمل حالاتِ زندگی اور ان کے علمی کارناموں پر مشتمل ایک جامع انسائیکلوپیڈیا ہے، جس میں 800 سے زائد مالکی علماء کے حالات درج کیے گئے ہیں، علماء کی پیدائش، اساتذہ، علمی مقام، تعلیم وتربیت، تصنیف وتالیف اور وفات جیسے نکات کو سوانحی انداز میں پیش کیا گیا ہے، ہر فقیہ کے ساتھ اس کی فقہی آراء اور نظریات کا ذکر بھی موجود ہے، جس کی وجہ سے یہ کتاب مالکیہ کی سوانح حیات میں ایک بنیادی ماخذ مانی جاتی ہے، اور مالکی فقہ کی تاریخ جاننے کے لیے ایک مستند حوالہ ہے۔

ماقبل میں ذکر کردہ دونوں کتب "تبصرةُ الحكام" اور "الدیباجُ المذهب" علامہ ابن فرحون مالکی کی تالیف کردہ کتب میں زیادہ مشہور ہیں، بلکہ آپ کی شہرت کی زیادہ وجہ بھی یہی دو کتب ہیں، جو کہ مطبوعہ شکل میں ہر دور میں بآسانی دستیاب رہی ہیں، لیکن ان دو کتب کے علاوہ دیگر مزید کتب، فتاویٰ، قضاء سے متعلق رسائل، اور مختلف مخطوطات کا ذکر بھی آپ کی تالیفات میں ملتا ہے۔

چنانچہ آپکی تصانیف وکتب میں علمی گہرائی، فقہی بصیرت، اور عدالتی نظام پر گرفت، نمایاں طور پر نظر آتی ہے، اور یہ کتب آج بھی فقہ مالکی کے محققین، اسلامی قانون کے طلبہ، اور اسلامی تاریخ کے شائقین کے لیے اہم مرجع ہیں۔

وفات

علامہ ابن فرحون نے اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ مدینہ طیبہ میں گزارتے ہوئے، تدریس، افتاء، قضاء اور تصنیف وتالیف میں صرف کیا، ان کا شمار مدینہ کے جلیل القدر قاضیوں اور فقہاءِ مالکیہ کے ممتاز افراد میں ہوتا ہے۔ آپ کا انتقال ذوالحجہ 799 ہجری (بمطابق 1397ء) میں مدینہ میں ہی ہوا، جنت البقیع میں تدفین کی گئی، جہاں دیگر جلیل القدر صحابہ، تابعین اور علماء مدفون ہیں۔

تذکرۂ اولیاء　حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ (قسط:5)　مولانا محمد ریحان

اولیاء کرام اور سلف صالحین کے نصیحت آموز واقعات وحالات اور ہدایات وتعلیمات کا سلسلہ

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں تدوینِ قرآن (حصہ:3)

جب مصاحف تیار ہو گئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں اسلامی سلطنت کے مختلف مراکز کی طرف بھیجا اور حکم دیا کہ ان کے علاوہ موجود ایسے صحیفوں اور مصاحف کو ختم کر دیا جائے جن سے اختلاف پیدا ہو سکتا تھا۔

امام بخاری نے الجامع الصحیح میں یہ الفاظ نقل کئے ہیں کہ::

وَأَرْسَلَ إِلَى كُلِّ أُفُقٍ بِمُصْحَفٍ مِمَّا نَسَخُوا، وَأَمَرَ بِمَا سِوَاهُ مِنَ الْقُرْآنِ فِي كُلِّ صَحِيفَةٍ أَوْ مُصْحَفٍ أَنْ يُحْرَقَ. (صحیح البخاری رقم ۴۹۸۷)

اور ان مصاحف میں سے جو انہوں نے نقل کیے تھے، ہر علاقے کی طرف ایک ایک مصحف بھیج دیا۔ اور حکم دیا کہ ان کے علاوہ قرآن کا جو بھی مواد کسی صحیفے یا مصحف میں موجود ہو، اسے جلا دیا جائے۔

اس کے بعد سب سے اہم سوال یہ ہے کہ کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے تدوین قرآن کے اس اقدام کو قبول کیا۔ اس سوال کا جواب آثارِ صحابہ میں نہایت واضح ہے۔

ابو اسحاق سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے مصعب بن سعید رحمہ اللہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ:

أَدْرَكْتُ أَصْحَابَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَوَافِرِينَ فَمَا رَأَيْتُ أَحَدًا مِنْهُمْ عَابَ مَا صَنَعَ عُثْمَانُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِي الْمَصَاحِفِ (تاریخ المدینة لابن شبة ج۳ص ۱۰۰۴ کتابة القرآن وجمعه)

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بڑی تعداد میں موجود پایا، لیکن میں نے ان میں سے کسی ایک کو بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مصاحف کے بارے میں کیے گئے اقدام پر عیب لگاتے یا اعتراض کرتے نہیں دیکھا۔

اس کے علاوہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جمع قرآن کے موقف وعمل کی تائید نہ صرف اپنی طرف سے کی بلکہ صحابہ کرام کی طرف نسبت کر کے ان کے اس عمل کی تائید فرمائی ہے۔

چنانچہ تاریخ المدینہ لابن شبہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب قول ہے کہ:

اتَّقُوا اللَّهَ فِي عُثْمَانَ وَلَا تَغْلُوا فِيهِ، وَلَا تَقُولُوا حَرَّاقَ الْمَصَاحِفِ، فَوَاللَّهِ مَا فَعَلَ إِلَّا عَنْ مَلَأٍ مِنَّا أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ، دَعَانَا فَقَالَ: مَا تَقُولُونَ فِي هَذِهِ الْقِرَائَةِ؟ فَقَدْ بَلَغَنِي أَنَّ بَعْضَكُمْ يَقُولُ: قِرَائَتِي خَيْرٌ مِنْ قِرَائَتِكَ، وَهَذَا يَكَادُ يَكُونُ كُفْرًا، وَإِنَّكُمْ إِنِ اخْتَلَفْتُمُ الْيَوْمَ كَانَ لِمَنْ بَعْدَكُمْ أَشَدَّ اخْتِلَافًا(تاریخ المدینة لابن شبة ج۳ص ۹۹۵ کتابة القرآن وجمعه)

ترجمہ: عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، اور ان کے معاملے میں غلو نہ کرو، اور یہ نہ کہو کہ وہ مصاحف کو جلانے والے تھے۔ اللہ کی قسم! انہوں نے جو کچھ کیا، وہ ہم اصحابِ محمد کی باہمی مشاورت اور اتفاقِ رائے سے کیا۔ انہوں نے ہمیں بلایا اور فرمایا کہ تم لوگ اس قرائت کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم میں سے بعض لوگ کہتے ہیں کہ میری قرائت تمہاری قرائت سے بہتر ہے۔ اور یہ بات قریب ہے کہ کفر تک پہنچا دے۔ اور اگر آج تم لوگ قرآن کی قرائت کے بارے میں اختلاف کرو گے تو تمہارے بعد آنے والوں کے درمیان اختلاف اس سے بھی زیادہ شدید ہوگا۔

''مــلا مــنــا'' حضرت علی رضی اللہ عنہ کے الفاظ انتہائی اہم ہیں۔ ''مَلَا'' عربی میں ایسے بااثر اور معتبر لوگوں کی جماعت کے لیے استعمال ہوتا ہے جو کسی اہم معاملے میں مشورہ اور اتفاق رکھتے ہوں۔ [1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ اقدام ہم سب کی باہمی مشاورت سے کیا، اس امر کی طرف واضح اشارہ ہے کہ یہ محض عثمان رضی اللہ عنہ کا انفرادی فیصلہ نہیں تھا۔

---

[1] الملأ أشراف الناس وعظماؤهم الذين يرجع إلى رأيهم(تفسير الخازن ج ۱ ص ۹۲ سورة البقرة)

پیارے بچو!

مولانا محمد ریحان

امی ابو کی بات

پیارے بچو! علی اور حمزہ دو بھائی تھے۔ دونوں بہت پیارے اور شرارتی بچے تھے۔ وہ ایک ہی اسکول میں پڑھتے تھے اور شام کو محلے کے دوسرے بچوں کے ساتھ کھیلتے تھے۔ ان کے والدین ہمیشہ انہیں اچھی باتیں سکھاتے اور کہتے کہ والدین کی عزت کرنا اور ان کی بات ماننا اچھے بچوں کی نشانی ہے۔

ایک دن چھٹی کے بعد علی اور حمزہ گھر پہنچے تو ان کے ابو نے کہا:

بیٹا! آج شام موسم خراب ہونے والا ہے، اس لیے باہر کھیلنے نہ جانا۔ گھر میں رہ کر اپنا ہوم ورک مکمل کرلو۔''

حمزہ نے فوراً کہا: ''جی ابو!''

لیکن علی نے سوچا کہ ابھی تو دھوپ نکلی ہوئی ہے، میں تھوڑی دیر کھیل کر آتا ہوں۔ علی چپکے سے گھر سے نکلا اور اپنے دوستوں کے ساتھ کھیلنے لگا۔ حمزہ نے اپنی امی کی مدد سے ہوم ورک مکمل کیا اور پھر کتاب پڑھنے بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد اچانک آسمان پر کالے بادل چھا گئے اور تیز ہوا چلنے لگی۔ دیکھتے ہی دیکھتے موسلا دھار بارش شروع ہوگئی۔ علی اپنے دوستوں کے ساتھ بارش میں پھنس گیا۔ وہ بھیگتا ہوا گھر پہنچا تو اسے اپنے ابو کی بات یاد آئی۔ اس نے شرمندہ ہوکر دروازہ کھٹکھٹایا۔ ابو نے دروازہ کھولا تو علی کو دیکھ کر پریشان ہوگئے۔ انہوں نے اسے ڈانٹنے کے بجائے فوراً خشک کپڑے دیے اور کہا:

''بیٹا! ہم تمہیں اس لیے منع کرتے ہیں کیونکہ ہمیں تمہاری حفاظت کی فکر ہوتی ہے۔''

علی نے سر جھکا کر کہا:

''ابو! مجھے معاف کردیں۔ مجھے آپ کی بات ماننی چاہیے تھی۔ میں نے سوچا تھا کہ آپ مجھے بلاوجہ روک رہے ہیں، لیکن اب مجھے بات سمجھ آگئی ہے کہ آپ میرے بھلے کے لیے کہتے ہیں۔''

ابو نے اسے پیار سے گلے لگایا اور کہا:

''بیٹا! غلطی سب سے ہوتی ہے، لیکن اچھا بچہ وہ ہے جو اپنی غلطی سے سبق سیکھے۔''

اگلے دن علی نے اپنی امی کو گھر کے کام میں مصروف دیکھا تو فوراً ان کی مدد کرنے لگا۔امی نے حیرت سے پوچھا:

''آج ہمارے علی کو کیا ہو گیا؟''

علی مسکرا کر بولا:

''امی! آپ سارا دن ہمارے لیے اتنا کچھ کرتی ہیں، اس لیے میں بھی آپ کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔''

حمزہ نے یہ دیکھا تو خوش ہو کر کہا:

''بھائی! ہمیں ہمیشہ امی ابو کی عزت کرنی چاہیے،ان سے اونچی آواز میں بات نہیں کرنی چاہیے اور جب وہ کوئی اچھی بات کہیں تو اسے ماننا چاہیے۔''

دونوں بھائیوں نے وعدہ کیا کہ وہ اپنے والدین کو کبھی جان بوجھ کر ناراض نہیں کریں گے۔اس دن سے علی اور حمزہ اپنے والدین کی بات غور سے سنتے،ان سے ادب سے گفتگو کرتے اور گھر کے کاموں میں ان کا ہاتھ بٹاتے۔ان کے والدین بھی دونوں بیٹوں سے بہت خوش رہنے لگے۔

پھر علی اور حمزہ نے دل سے عہد کیا کہ وہ ہمیشہ اپنے والدین کی عزت کریں گے۔وہ امی ابو سے کبھی بدتمیزی یا اونچی آواز میں بات نہیں کریں گے۔وہ ان کی جائز بات کو خوشی سے مانیں گے اور ان کی خدمت کریں گے۔جب بھی والدین انہیں کسی کام سے روکیں گے، وہ پہلے اس کی وجہ سمجھنے کی کوشش کریں گے۔دونوں بھائی جان گئے تھے کہ والدین کی خوشی میں ہی گھر کی خوشی اور برکت ہے۔

پیارے بچو! یاد رکھو، والدین ہماری زندگی کی بہت بڑی نعمت ہیں۔ان کی عزت کرنا،ان کے ساتھ نرمی سے پیش آنا اور جائز اور اچھی باتوں میں ان کی اطاعت کرنا ایک اچھے اور فرمانبردار بچے کی پہچان ہے۔

بزمِ خواتین (عورت کا تقدس اور حقوق نسواں کا فریب: قسط106) مفتی طلحہ مدثر

زیب وزینت میں خواتین کے اختیارات (حصہ:24)

معزز خواتین! انسان کی ظاہری شخصیت میں بالوں کو ہمیشہ سے ایک خاص اہمیت حاصل رہی ہے، عمر بڑھنے کے ساتھ بالوں کا سفید ہونا ایک فطری عمل ہے، لیکن ہمارے معاشرے میں اس فطری تبدیلی کے بارے میں لوگوں کے رویے یکساں نہیں، بعض لوگ سفید بالوں کو بڑھتی ہوئی عمر کی علامت اور ظاہری حسن میں کمی کا باعث سمجھتے ہیں، اس لیے انہیں چھپانے کے لیے بالوں میں مختلف قسم کے رنگ استعمال کرتے ہیں، ان کے نزدیک سفید بالوں کو اسی حالت میں رہنے دینا مناسب نہیں، بلکہ انہیں اپنی سابقہ رنگت میں برقرار رکھنا زیادہ خوب صورت اور قابلِ قبول معلوم ہوتا ہے، اس کے برعکس ایک دوسرا طبقہ ایسا بھی ہے جو بالوں کی سفیدی کو چھپانے کے بجائے اسے فطری حالت میں برقرار رکھنے کو ترجیح دیتا ہے۔ ان کے نزدیک سفید بال انسانی عمر کے ایک قدرتی مرحلے کی علامت ہیں، اس لیے انہیں رنگنے یا چھپانے کی ضرورت نہیں، وہ اس تبدیلی کو قبول کرتے ہوئے اپنے بالوں کو اسی حالت میں رہنے دیتے ہیں، یا اس کو فضیلت اور بزرگی کی علامت سمجھتے ہیں، یوں ایک ہی معاشرے میں سفید بالوں کے بارے میں دو مختلف نقطۂ نظر پائے جاتے ہیں، ایک طرف انہیں چھپانے کا رجحان ہے اور دوسری طرف انہیں فطری حالت میں برقرار رکھنے کا، یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان دونوں رویوں میں صحیح طرزِ عمل کون سا ہے؟ کیا سفید بالوں کو رنگنا محض ظاہری زیب وزینت کا معاملہ ہے، یا اس کے بارے میں کوئی دینی رہنمائی بھی موجود ہے؟ اور اگر دین نے اس سلسلے میں کوئی اصول یا ہدایت بیان کی ہے تو وہ کیا ہے؟ اسی طرح یہ بھی دیکھنا ضروری ہے کہ سفید بالوں کو نہ رنگنے اور انہیں اسی حالت میں رہنے دینے کا موقف کس حد تک درست ہے، لہٰذا اس مسئلے کا فیصلہ محض معاشرتی پسند، فیشن یا ذاتی رائے کی بنیاد پر کرنے کے بجائے قرآن وسنت اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں کرنا زیادہ مناسب ہے، چنانچہ اسی سلسلے میں پہلے کچھ احادیث وروایات ملاحظہ فرمائیں، جس کے بعد اس مسئلہ کی تفصیلی وضاحت ذکر کی جائے گی۔

بال رنگنے کا حکم

بعض احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود ونصاریٰ کی مخالفت کرنے اور بالوں کے رنگنے کا حکم دیا ہے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى لَا يَصْبُغُونَ، فَخَالِفُوهُمْ. (صحيح مسلم،رقم الحديث 80-2103،كتاب اللباس والزينة، باب في مخالفة اليهود في الصبغ)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ’’یہود اور نصاریٰ (بالوں کو) رنگ نہیں لگاتے تم ان کی مخالفت کرو‘‘ (بالوں کو رنگ لگاؤ۔) (مسلم)

ایک حدیث میں یہ الفاظ ہیں:

’’فَخَالِفُوا عَلَيْهِمْ فَاصْبُغُوا‘‘ (سنن الكبرىٰ للنسائی، كتاب الزينة ،الامر بالخضاب،رقم الحديث 9288)

ترجمہ: تم ان کی مخالفت کرو اور رنگ لگاؤ۔ (سنن الکبریٰ)

ان احادیث میں یہود ونصاریٰ کی مخالفت کرتے ہوئے بالوں کو رنگنے کا حکم ہے۔

حضرت عثمان بن عروہ اپنے والد حضرت عروہ سے اور وہ اپنے والد حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: غَيِّرُوا الشَّيْبَ، وَلَا تَشَبَّهُوا بِالْيَهُودِ. (مسند احمد، رقم الحديث 1415)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’بالوں کی سفیدی بدل ڈالو، اور یہودیوں کی مشابہت اختیار مت کرو‘‘ (مسند احمد)

ایک حدیث میں یہود کے ساتھ نصاریٰ کا بھی ذکر ہے، یہ حدیث متعدد صحابہ کرام سے روایت ہے۔

چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد تحریر کرتے ہیں:

”وفي الباب عن الزبير، وابن عباس، وجابر، وأبي ذر، وأنس، وأبي رمثة، والجهدمة، وأبي الطفيل، وجابر بن سمرة، وأبي جحيفة، وابن عمر“ (سنن الترمذی، باب ما جاء فی الخضاب)

ترجمہ: اس بارے میں حضرت زبیر (بن عوام)، ابن عباس، جابر، ابوذر، انس، ابورمثہ، جهدمہ، ابوطفیل، جابر بن سمرہ، ابوجحیفہ، اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی روایات مروی ہیں (ترمذی)

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ بالوں کی سفیدی تبدیل کرنے کی حدیث متعدد صحابہ کرام سے مروی ہے۔

قاسم سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں:

سَمِعْتُ أَبَا أُمَامَةَ يَقُولُ: خَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى مَشْيَخَةٍ مِنَ الْأَنْصَارِ بِيضٌ لِحَاهُمْ فَقَالَ: يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ حَمِّرُوا وَصَفِّرُوا، وَخَالِفُوا أَهْلَ الْكِتَابِ. (مسند احمد 22283)

ترجمہ: میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبی صلی اللہ علیہ وسلم انصار کے بزرگ حضرات کی طرف تشریف لائے، جن کی ڈاڑھیاں سفید تھیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اے انصار کی جماعت، (اپنے سفید بالوں کو) سرخ یا زرد کرلو اور اہل کتاب کی مخالفت کرو۔ (مسند احمد)

ان تمام احادیث سے معلوم ہوا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف الفاظ کے ساتھ بالوں کی سفیدی کو ختم کرنے کا حکم دیا ہے، اور یہ حکم صحابہ کرام کی ایک اچھی خاصی جماعت سے مروی ہے، جن میں عشرہ مبشرہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصی خدام بھی شامل ہیں، اور بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف موقعوں پر مختلف افراد کو سفید بال رنگنے کا حکم فرمایا، جس کو ہر صحابی نے اپنے الفاظ میں روایت کردیا، اس سلسلے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا اپنا فعل کیا تھا، اس کی مزید وضاحت ان شاء اللہ آگے آئے گی۔ (جاری ہے.........)

آپ کے دینی مسائل کا حل
ادارہ

”طلاق“ کے بعد ”آزاد ہو گئی“ کہنے کا حکم

استفتاء

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام اس بارے میں کہ:

میاں بیوی کا بحث مباحثہ، اور جھگڑا ہوا (بیوی کا اپنی بہن کے گھر جانے کی ضد کی وجہ سے) بات بڑھ گئی، تو شوہر نے دو مرتبہ کہا ”تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے“

ان الفاظ کے پندرہ (15) منٹ کے دوران، بیوی اپنے اور بچوں کے کپڑے اور سامان اٹھانے لگی، اور بڑبڑاتی رہی، بات چیت بڑھی، تو شوہر نے کہا کہ ”جس بہن کی وجہ سے طلاق دی، اسی کے پاس چلی جا“ تو بیوی نے کہا کہ ”اپنی ماں کو بھیج دے“ تو شوہر نے کہا ”تجھے طلاق دے چکا ہوں، اب نکل جاؤ، تم آزاد ہو گئی ہو، میری ماں کے ساتھ کیوں ضد بحث کر رہی ہو“

شوہر کہتا ہے کہ میں نے پہلی بار 2 مرتبہ طلاق کے الفاظ کہے تھے، اس کے بعد مزید الفاظ جو کہے کہ ”تجھے طلاق دے چکا ہوں، اب نکل جاؤ، تم آزاد ہو گئی ہو، میری ماں کے ساتھ کیوں ضد بحث کر رہی ہو“ ان الفاظ سے میں ان پہلی دو طلاقوں کی خبر دے کر گھر سے نکالنا چاہتا تھا، ان الفاظ سے نئی طلاق کی بالکل نیت نہیں تھی، اور یہ بھی معلوم نہ تھا کہ ان الفاظ سے مزید بھی کوئی طلاق واقع ہوتی ہے، بلکہ اسی پہلی والی طلاقوں کی خبر دینا مقصود تھا، اور یہ بات میں حلفاً کہتا ہوں۔

اب فقہائے کرام کے نزدیک اس مسئلہ میں گنجائش ہو، تو رہنمائی فرمائیں، ہم نے ایک دارالافتاء سے فتویٰ لیا، انہوں نے ہم سے نیت کے متعلق کوئی سوال نہیں کیا، اور تین طلاق کا فتویٰ دے دیا، ایک طلاق ”آزاد ہو گئی“ کہنے کی بناء پر، جس کی وجہ سے ہم میاں بیوی بہت پریشان ہیں، اور اس مسئلہ کا حل نکالنا چاہتے ہیں۔

مہربانی فرما کر ہمارے مسئلہ کا حل فرمائیں۔

سائل: محمد افضل بن عبدالکریم، ڈیرہ غازی خان۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جواب:...... سب سے پہلے تو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ شوہر کو تین طلاقوں کا حق ہوتا ہے، اگر تین طلاقیں، اس طرح دیدی جائیں کہ وہ تینوں شرعاً واقع ہوجائیں، تو اس کے بعد میاں بیوی کے درمیان ’’حرمتِ مغلظہ‘‘ یعنی پختہ حرمت قائم ہوجاتی ہے۔

اور اگر تین طلاقوں سے کم، یعنی ایک، یا دو طلاقیں دی جائیں، تو پھر باقی ماندہ تیسری طلاق دینے تک ’’حرمتِ مغلظہ‘‘ قائم نہیں ہوتی، اور پہلی ایک، یا دو طلاقیں رجعی ہوں، تو شوہر کو بیوی سے رجوع کا حق ہوتا ہے، اور عدت گذرنے تک رجوع نہ کیا جائے، یا پہلی طلاق بائن ہو، تو دونوں صورتوں میں میاں بیوی کو نئے سرے سے دو گواہوں کی موجودگی میں نئے مہر کے ساتھ ایجاب وقبول کر کے نکاح کرنے کا اختیار حاصل ہوا کرتا ہے۔

اس کے بعد سمجھ لینا چاہیے کہ پہلے جب شوہر نے دو طلاقیں دے دی تھیں، تو اس سے جمہور کے نزدیک دو طلاقیں ہی واقع ہوئی تھیں، جس کے بعد رجوع کا حق حاصل تھا۔

پھر جب شوہر نے دوسری مرتبہ یہ جملے بولے کہ:

’’تجھے طلاق دے چکا ہوں، اب نکل جاؤ، تم آزاد ہوگئی ہو، میری ماں کے ساتھ کیوں ضد بحث کر رہی ہو‘‘

اور ان الفاظ سے اس کی نیت پہلی طلاقوں کی خبر دینے کی تھی، ان الفاظ سے مزید تیسری، اور نئی طلاق دینے کی نیت نہیں تھی، جس پر شوہر حلفیہ بیان بھی دیتا ہے، تو ان الفاظ کے کہنے سے مزید تیسری طلاق نہیں ہوئی، البتہ ان الفاظ کی وجہ سے پہلی دو طلاقیں جو رجعی تھیں، وہ بائن ہوگئیں، جس کے بعد اب مرد وعورت کو باہمی رضامندی سے نئے مہر کے ساتھ دو گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول کر کے رہنا سہنا جائز ہے۔

البتہ اب آئندہ کے لئے شوہر کو صرف ایک طلاق کا حق باقی رہ گیا، اس لئے آئندہ سخت احتیاط کرنی چاہیے۔

چنانچہ ’’خلاصۃُ الفتاویٰ‘‘ میں ہے کہ:

رجل طلق امراتہ،ثم قال لھا قد طلقتک او طلاق دادم ترا،لایقع ثانیۃ،ولو قال لھا قد کنت طلقتک او طلاق دادم ترا،لایقع ثانیۃ (خلاصۃ الفتاویٰ، ج ۲،ص ۸۵،کتاب الطلاق،الفصل الاول،الجنس الخامس فی العدد)

ترجمہ: ایک آدمی نے اپنی بیوی کوطلاق دی، پھراس آدمی نے اس عورت کو کہا کہ میں نے تجھے طلاق دے دی ہے، یا طلاق دے دی ہے، میں نے تجھ کو،تو دوسری طلاق واقع نہیں ہوگی،اور اگر اس آدمی نے اس عورت سے کہا کہ میں تجھے طلاق دے چکا ہوں، یاطلاق دے چکا ہوں میں تجھ کو،تو دوسری طلاق واقع نہیں ہوگی (خلاصہ)

اور’’خلاصۃُ الفتاویٰ‘‘میں ہی ہے کہ:

لو قال لامراتہ انت طلاق ،ثم قال للناس زن بر من حرام است،وعنی بہ الاول،اولانیۃ لہ،فقد جعل الرجعی بائنا،وان عنی بہ الابتداء فھی طالق آخر بائن (خلاصۃ الفتاویٰ، ج ۲،ص ۸۶،کتاب الطلاق،الفصل الاول،الجنس الخامس فی العدد)

ترجمہ: اگراپنی بیوی کو کہا کہ تجھے طلاق ہے، پھرلوگوں سے کہا کہ یہ عورت مجھ پر حرام ہے،اوران الفاظ سے پہلی طلاق کو مرادلیا، یاکوئی نیت نہیں کی،تو اس نے پہلی رجعی طلاق کو بائن کردیا۔

اوراگران الفاظ سے نئے سرے سے طلاق کو مرادلیا،تو پھر یہ دوسری طلاق بائن کہلائے گی (خلاصہ)

اور’’الموسوعۃُالفقھیۃ‘‘میں ہے کہ:

وإن قصد الإخبار عن نفسہ، وأنہ طلقھا فی ذلک الزمن السابق، صدق فی ذلک بیمینہ إن کان التصدیق ممکنا (الموسوعۃ الفقھیۃ الکویتیۃ، ج ۲۹،ص ۳۷،مادۃ’’ طلاق‘‘)

ترجمہ: اوراگراس نے اپنی طرف سے خبردینے کاارادہ کیادراں حالیکہ وہ اس سے پہلے اس عورت کو طلاق دے چکا تھا،تو شوہر کی قسم کے ساتھ تصدیق کردی جائے گی،اگر

تصدیق کرنا ممکن ہو(جیسا کہ زیرِ بحث مسئلہ میں ممکن ہے)(موسوعہ)

آپ کے مسئلہ کا اصل جواب تو مکمل ہوگیا۔

اس کے بعد ضمنی طور پر سمجھ لینا چاہیے کہ شوہر کا بیوی کو یہ کہنا کہ''تو آزاد ہے'' یہ الفاظ اکثر فقہائے کرام کے نزدیک، کنائی کہلاتے ہیں، جن کو طلاق کی نیت کئے بغیر کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔

البتہ بعض اردو فتاویٰ میں ان الفاظ کو''چھوڑ دیا'' کے مترادف سمجھ کر، صریح کہا گیا ہے، جس کو بعض فقہاء صریح کہتے ہیں۔

لیکن بعض دوسرے فتاویٰ میں ان الفاظ کا کنائی ہونا ہی برقرار رکھا گیا ہے، جن سے طلاق کی نیت ہو، تو ہی طلاق واقع ہوتی ہے۔

چنانچہ فتاویٰ دار العلوم دیوبند میں ہے:

> ''آزاد کرنے کا لفظ کہنا، صریح طلاق نہیں ہے، کنایہ ہے، اگر نیت شوہر کی اس لفظ سے طلاق کی ہے......تو اس لفظ سے ایک طلاق بائنہ اس کی زوجہ پر واقع ہوگئی (فتاویٰ دار العلوم، دیوبند مکمل ومدلل، ج۹ص ۲۶۸، کتاب الطلاق، مطبوعہ: دار الاشاعت، کراچی)

چاروں فقہ سے متعلق کتابوں میں بھی ان الفاظ کو کنائی تحریر کیا گیا ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے بھی ان الفاظ کا کنائی ہونا منقول ہے۔

اور ہمارے نزدیک یہی راجح بھی ہے۔

''آزاد کیا'' کے الفاظ کو فقہائے کرام نے''چھوڑ دیا'' کے الفاظ سے الگ ذکر کیا ہے، اور آزاد ہے کے الفاظ کو کنائی قرار دیا ہے جبکہ ان الفاظ کو صریح قرار دینے والے حضرات، اس کو ''چھوڑ دیا'' کے مترادف، اور چھوڑ دیا کو عربی کے''سرحتک'' کے الفاظ کے معنیٰ میں سمجھ کر، فتویٰ دیتے ہیں، حالانکہ فقہاء نے''انت حرۃ'' یعنی تو آزاد ہے، کے الفاظ کا کنائی ہونا برقرار رکھا ہے، اور اس کے کنائی ہونے کی دلیل بھی بیان کی ہے، جو آج بھی اس کے کنائی ہونے کا تقاضا کرتی ہے۔

اس سلسلہ میں فقہ حنفی اور دیگر فقہائے کرام کے فقہ سے متعلق عبارات ذیل میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔ ل

ل وإذا قال الرجل لامرأته :أنت منى بائن أو برية أو خلية، فإنه يسأل عن نيته .وإن لم ينو الطلاق لم يقع عليها الطلاق .وإن نوى الطلاق فهو ما نوى......وكذلك لو قال لها :أنت حرة، ينوى الطلاق(الاصل، ج۴،ص ۴۵۳،كتاب الطلاق،باب ما تقع به الفرقة مما يشبه الطلاق من الكلام)

كنايات الطلاق :كنايات الطلاق كثيرة، بل لا تكاد تنحصر، وذكر الفقهاء أمثلة لها، اتفقوا فى أكثرها مثل : أنت بائن، أنت على حرام، خلية، برية، بريئة، بتة، أمرك بيدك، اختارى، اعتدى، استبرئى رحمك، خليت سبيلك، حبلك على غاربك، خالعتك بدون ذكر العوض) لا سبيل لى عليك، أنت حرة، قومى، اخرجى، اغربى، اعزبى، انطلقى، انتقلى، تقنعى، استترى، تزوجى، ونحو ذلك .

واختلفوا فى لفظين هما :سرحتك، وفارقتك، فقال الجمهور :إنهما كنايتان فى الطلاق، لأنهما لم يشتهرا فيه اشتهار الطلاق،ويستعملان فيه وفى غيره، وهو مقابل المشهور عند الشافعية .

وقال الشافعية فى القول المشهور والخرقى من الحنابلة :إنهما صريحان فى الطلاق، لاشتهارهما فيه وورودهما فى القرآن فى قوله تعالى :(وأسرحكن سراحا جميلا وقوله تعالى :(وإن يتفرقا يغن الله كلا من سعته مرادان بالطلاق مع تكرر الفراق فيه، وإلحاق ما لم يتكرر فيه منهما بما تكرر، وإلحاق ما لم يرد من مشتقاتهما فى القرآن بما ورد فيه لأنه بمعناه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۵،ص ۱۳۷،و ۱۳۸،مادة" كناية")

وهل تقوم قرائن الأحوال والعرف مقام النية فى الكنايات؟ .

ذهب الحنفية والحنابلة إلى ذلك، وخالف المالكية والشافعية، وقالوا :لا عبرة .بالعرف وقرائن الحال(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۹،ص ۲۴،مادة" طلاق")

وهل يحل محل النية قرائن الحال فى وقوع الطلاق بالكناية من غير نية؟ .ذهب الحنفية والحنابلة فى المعتمد إلى أن قرائن الحال كالنية فى وقوع الطلاق باللفظ الكنائى، كما لو قال لزوجته فى حالة غضب : الحقى بأهلك، فإنه طلاق ولو لم ينوه، وكذلك إذا كان فى حالة مساء لة الطلاق .وذهب المالكية، والشافعية، والحنابلة فى رواية إلى عدم الاعتداد بقرائن الحال هنا، فلا يقع الطلاق باللفظ الكنائى عندهم إلا إذا نواه مطلقا.

وقد ذهب الفقهاء إلى أن الألفاظ الصريحة فى الطلاق هى مادة (طلق) وما اشتق منها لغة وعرفا، مثل: طلقتك، وأنت طالق، ومطلقة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۹،ص ۲۷،مادة" طلاق")

لا تطلق بها إلا بنيته أو دلالة الحال......وهى بائن بتة بتلة حرام خلية برية حبلك على غاربك الحقى بأهلك وهبتك لأهلك سرحتك فارقتك أمرك بيدك اختارى أنت حرة تقنعى تخمرى استترى اغربى اخرجى اذهبى قومى ابتغى الأزواج(كنز الدقائق،ص ۲۷۶،كتاب الطلاق،باب الكنايات)

(وألفاظ البائن قوله :أنت بائن، بتة، بتلة، حرام، حبلك على غاربك، خلية، برية، الحقى بأهلك، وهبتك لأهلك، سرحتك، فارقتك، أمرك بيدك، تقنعى، استترى، أنت حرة، اغربى، اخرجى، ابتغى الأزواج(الاختيار،لتعليل المختار، ج۳،ص ۱۳۳،كتاب الطلاق،فصل فى كنايات الطلاق)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

فقط

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ وَعِلۡمُہٗ اَتَمُّ وَاَحۡکَمُ.

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(وأما) الکنایة فنوعان :نوع هو کنایة بنفسه وضعا، ونوع هو ملحق بها شرعا فی حق النیة، أما النوع الأول فهو کل لفظ یستعمل فی الطلاق ویستعمل فی غیره نحو قوله :أنت بائن، أنت علی حرام خلیة برئیة بتة أمرک بیدک اختاری اعتدی استبرئی رحمک أنت واحدة خلیت سبیلک سرحتک حبلک علی غاربک فارقتک خالعتک -ولم یذکر العوض -لا سبیل لی علیک لا ملک لی علیک لا نکاح لی علیک أنت حرة قومی اخرجی اغربی انطلقی انتقلی تقنعی استتری تزوجی ابتغی الأزواج الحقی بأهلک ونحو ذلک.

سمی هذا النوع من الألفاظ کنایة(بدائع الصنائع، ج۳،ص۱۰۵،کتاب الطلاق،فصل فی الکنایة فی الطلاق)

وإذا احتملت هذه الألفاظ الطلاق وغیر الطلاق فقد استتر المراد منها عند السامع، فافتقرت إلی النیة لتعیین المراد ولا خلاف فی هذه الجملة إلا فی ثلاثة ألفاظ وهی قوله :سرحتک، وفارقتک، وأنت واحدة فقال أصحابنا :قوله :سرحتک وفارقتک من الکنایات لا یقع الطلاق بهما إلا بقرینة النیة کسائر الکنایات.

وقال الشافعی :هما صریحان لا یفتقران إلی النیة کسائر الألفاظ الصریحة(بدائع الصنائع، ج۳،ص۱۰۶،کتاب الطلاق،فصل فی الکنایة فی الطلاق)

(قوله :سرحتک فارقتک) وجعلهما الشافعی من الصریح لورودهما فی القرآن للطلاق کثیرا قلنا المعتبر تعارفهما فی العرف العام فی الطلاق لاستعمالهما شرعا مرادا هو بهما کذا فی فتح القدیر، وفی الکافی ولنا الصریح ما لا یستعمل فی غیر النساء وهم یقولون سرحت إبلی وفارقت غریمی ومشایخ خوارزم من المتقدمین ومن المتأخرین کانوا یفتون بأن لفظ التسریح بمنزلة الصریح یقع به طلاق رجعی بدون النیة کذا فی المجتبی، وفی الخانیة لو قال :أنت السراح فهو کقوله أنت خلیة اعزبی، وفی القنیة، والإقرار بالفرقة لیس بإقرار بالطلاق لاختلاف أسبابها.

قوله :أمرک بیدک اختاری) کنایتان للتفویض فإذا نوی تفویض الطلاق إلیها کان لها أن تطلق نفسها کما سیأتی (قوله :أنت حرة) عن حقیقة الرق أو عن رق النکاح، وفی فتح القدیر وأعتقتک مثل أنت حرة، وفی البدائع کونی حرة أو اعتقی مثل أنت حرة(البحر الرائق، ج۳،ص۳۲۵،باب الکنایات فی الطلاق)

(سرحتک فارقتک) یحتمل التسریح والمفارقة بالطلاق أو بغیره وعند الشافعی هما صریحان فی الطلاق ......(أنت حرة) عن رق النکاح، أو غیره(مجمع الأنهر فی شرح ملتقی الأبحر، ج۱،ص۴۰۴،کتاب الطلاق،فصل فی کنایات الطلاق)

قال -رحمه الله -(وهی) أی غیر الثلاثة الأول من الکنایات (بائن بتة بتلة حرام خلیة بریة حبلک علی غاربک الحقی بأهلک وهبتک لأهلک سرحتک فارقتک أمرک بیدک اختاری أنت حرة تقنعی تخمری استتری اغربی اخرجی اذهبی قومی ابتغی الأزواج)؛ لأن هذه الجملة تحتمل الطلاق وغیره فلا بد من التعیین لیتبین الحالتبیین الحقائق، ج۲،ص۲۱۶،کتاب الطلاق،باب الکنایات)

فإذا نوی الطلاق وطلقت نفسها وقع، (أنت حرة) لبراءتک من الرق أو عن رق النکاح وأعتقتک مثل أنت

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

محمد رضوان خان

21/صفر المظفر/1447ھ،16/اگست/2025ء، بروز ہفتہ

ادارہ غفران، راولپنڈی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ حرة كما فى (الفتح) وكذا كونى حرة أو أعتقى كما فى (البدائع)(النهر الفائق، ج٢،ص ٣٦٠، كتاب الطلاق، باب الكنايات)

(يصلح سبا، ونحو اعتدى واستبرئى رحمك، أنت واحدة، أنت حرة، اختارى أمرك بيدك سرحتك، فارقتك لا يحتمل السب والرد، ففى حالة الرضا) أى غير الغضب والمذاكرة (تتوقف الأقسام) الثلاثة تأثيرا (على نية) للاحتمال والقول له بيمينه فى عدم النية ويكفى تحليفها له فى منزله، فإن أبى رفعته للحاكم فإن نكل فرق بينهما مجتبى.(وفى الغضب) توقف (الأولان) إن نوى وقع وإلا لا (وفى مذاكرة الطلاق) يتوقف (الأول فقط) ويقع(الدر المختارمع رد المحتار، ج٣،ص ٣٠٠، كتاب الطلاق، باب الكنايات)

(قوله أنت حرة) أى لبراء تك من الرق أو من رق النكاح وأعتقتك مثل أنت حرة كما فى الفتح، وكذا كونى حرة أو اعتقى كما فى البدائع نهر(رد المحتار، ج٣،ص ٣٠٠، كتاب الطلاق، باب الكنايات)

ونحو :اعتدى، واستبرئى رحمك، أنت واحدة، أنت حرة، اختارى، أمرك بيدك، وسرحتك، وفارقتك، لا يحتملهما) أى الرد لسؤال المرأة، والسب لها، وإنما يصلح جوابا لسؤالها ومعانى أخر.

(ففى الرضا) وهو أن لا يكون غضب ولا مذاكرة طلاق (يتوقف الكل على النية) للاحتمال وعدم دلالة الحال (وفى الغضب) يتوقف القسمان (الأولان) على النية لأن الأول لما احتمل الرد والثانى السب، وقع الشك فى الجواب، فلا تطلق إلا بالنية .(وفى مذاكرة الطلاق) يتوقف (الأول فقط) أى ولا يتوقف الأخيران .أما توقف الأول فلأنه لما احتمل الرد والجواب، والرد أدنى من الجواب لأن الرد دفع والجواب رفع، حمل عند عدم النية على الرد .وأما عدم توقف الآخرين فلأن الظاهر منهما عند مذاكرة الطلاق إرادته، فلا يتوقفان عندها على النية .والقول قوله فى تركها مع يمينه لأنها محتملة، فإن أنكر النية فى مذاكرة الطلاق لم يصدق قضاء فيما يصلح منها جوابا فقط، ولا يصلح سبا ولا ردا، أو يصلح جوابا وسبا أيضا، وصدق فيما يصلح جوابا وردا .وإن أنكرها فى حال الغضب لم يصدق فيما يصلح جوابا فقط، ويصدق فيما عداه(شرح النقاية، ج٤،ص ٨٤)

(فرع)وان قال لامرأته :أنت حرة ونوى به الطلاق كان طلاقا(المجموع شرح المهذب، ج١٧، ص١٠٥، كتاب الطلاق)

مسألة؛ قال :(وإذا قال لها فى الغضب :أنت حرة، أو لطمها، فقال :هذا طلاقك فقد وقع الطلاق) الكلام فى هذه المسألة فى فصلين الفصل الأول :فى أن هذا اللفظ كناية فى الطلاق، إذا نواه به وقع، ولا يقع من غير نية، ولا دلالة حال،ولا نعلم خلافا فى:أنت حرة، أنه كناية(المغنى لابن قدامة،ج٧،ص ٣٨٨،كتاب الطلاق)

(أو أنت حرة أو معتقة) تقدم نص ابن شاس أن هذا ملحق بالكنايات المحتملة .ونص المدونة :إن قال لها أنت حرة أو الحقى بأهلك لا شىء عليه إلا أن ينوى طلاقها فهو ما نوى ولو واحدة(التاج والإكليل لمختصر خليل، ج٥،ص ٣٢٩، كتاب الطلاق)

فالحرية ليست من ألفاظ الطلاق، فإذا قال الرجل :أنت حرة فلا تكون طالقا إلا أن يكون أراد بذلك الطلاق(البيان والتحصيل، ج٦،ص ٢٤٠، كتاب الايمان بالطلاق)

www.idaraghufran.org

کیا آپ جانتے ہیں؟ مفتی محمد رضوان

دلچسپ معلومات، مفید تجزیات اور شرعی احکامات پر مشتمل سلسلہ

’’رسومِ افتاء واصولِ افتاء‘‘ پر کلام (قسط:20)

اس اصولی تمہید کے بعد جاننا چاہیے کہ حنفیہ کے نزدیک عرفِ عام، اور عرفِ خاص کے معتبر ہونے نہ ہونے میں اختلاف ہے۔

علامہ ابنِ عابدین شامی نے عرف کی بحث کے ضمن میں بعض مقامات پر عرفِ عام وعرفِ خاص کی تقسیم، اور اس کے احکام میں جو تطبیق وتفصیل اختیار کی، ہمارے یہاں کے بہت سے اصحابِ علم میں اس کو شہرت حاصل ہے، جو اس کے مطابق ہی حکم بیان کرتے ہیں۔

علامہ ابنِ عابدین شامی کی اختیار کردہ تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ عرفِ عام سے نص کی تخصیص بھی جائز ہے، اور قیاس کا ترک کرنا بھی جائز ہے۔

اور عرفِ خاص سے، مذکورہ دونوں چیزوں میں سے کوئی چیز جائز نہیں، البتہ خاص اس عرف والی جگہ میں مذہبِ حنفی کے ظاہر کے خلاف جائز ہے۔

ساتھ ہی علامہ ابنِ عابدین شامی نے ہی یہ بھی تصریح کی ہے کہ مذہبِ حنفی میں ایک قول عرفِ خاص سے نص میں تخصیص، یا قیاس کے خلاف جواز کا بھی ہے، جو ان کے بقول ضعیف ہے، اور ضعیف قول پر ضرورت کی صورت میں عمل جائز ہے۔

اس تناظر میں ہمارے نزدیک مجوث فیہ (ٹاپ لگانے کے) معاملہ میں نہ تو نصِ حقیقی کی مخالفت لازم آتی، اور نہ اجماع کی مخالفت لازم آتی، بلکہ یہ ایسی صورت ہے، جس سے شریعت کی طرف سے نہ ممانعتِ صریحہ وارد ہے، اور نہ اجازتِ صریحہ وارد ہے۔

اور اگر زیادہ ترقی کر کے اور زور لگا کر کہا جائے، تو اس مجوث فیہ معاملہ کو زیادہ سے زیادہ، صورتِ نص کے خلاف کہا جا سکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ و دیگر جلیلُ القدر متعدد تابعین، اور امام احمد، جن کے نزدیک یہ مجوث فیہ معاملہ عرف کے بغیر بھی جائز ہے، وہ اس کو جائز قرار نہ دیتے، اور اس کی کسی کو بھی تقلید واتباع جائز نہ ہوتی۔

اور اسی طرح بہت سے وہ اجتہادی مسائل جن میں صورتاً کسی نص کا ترک لازم آتا ہے، ان میں کسی مجتہد کو عرف کے بغیر نہ تو اختلاف کرنا جائز ہوتا، اور نہ ہی اس کی تقلید جائز ہوتی، اور نہ ہی قضائے قاضی معتبر قرار پاتا۔

اور کیونکہ مجوث فیہ مسئلہ میں عاقدین کی طرف سے تصریح موجود ہے، اس لئے اس کا عرف نہ ہونا، یا عرف کے خلاف ہونا مضر نہیں، کیونکہ یہاں عرف کی ضرورت ہی نہیں، بلکہ دوسری جہت سے فریقین کے مابین ہونے والے معاملہ میں عدمِ محظور کا موجود نہ ہونا کافی ہے۔

فقہاء نے تصریح کی ہے کہ جو چیز عقد میں مشروط نہ ہو، اس میں عرف کا اعتبار ہوتا ہے۔ [1]

اور اگر کسی جگہ اس معاملہ کا عرف ہونا، تنازعہ وجہالت کو ختم کرنے کا باعث بن کر دوسرے فقہائے کرام کے نزدیک بھی جواز کا باعث بننے کی صلاحیت رکھتا ہے، تو ایسی صورت میں بھی اس کے جواز کے لئے اس کو اجارہ میں داخل ماننا ضروری نہیں، جس طرح ''جعالہ'' درحقیقت ''اجارہ'' سے الگ معاملہ ہے، جو حنفیہ کے علاوہ دیگر جمہور فقہائے کرام کے نزدیک عرف ورواج اور عادت کے بغیر بھی جائز ہے، اور حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں، پھر اگر اس کا عرف ہو جائے، اور حنفیہ کی طرف سے اس کو عرف ہونے کی وجہ سے جائز قرار دیا جائے، تو اس کو ''جعالہ'' ہونے کی حیثیت سے ہی جائز قرار دیا جائے گا، اور حنفیہ کی طرف سے اس کو جائز قرار دینے کے لئے اجارہ قرار دینے کی کوشش وجد وجہد کرنا، اور اجارہ کی متعلقہ شرائط کے متحقق ہونے کے درپے ہونا، خلافِ معقول طریقہ کہلائے جانے کا مستحق ہوگا۔

لیکن ہم نے موجودہ زمانہ کے متعدد حنفی علماء کو دیکھا کہ جو معاملات ایسے ہیں کہ وہ دیگر فقہاء کے

---

[1] وهذا بناء على عادة أهل الكوفة والمرجع في ذلك إلى العرف في كل موضع وهو أصل كبير في الإجارة فإن ما يكون من التوابع غير مشروط في العقد يعتبر فيه العرف في كل بلدة (المبسوط،لشمس الأئمة السرخسي، ج۱۵، ص ۱۲۱، كتاب الاجارات، باب إجارة الظئر)

www.idaraghufran.org

نزدیک جائز ہیں، اور بعض لوگ ان کا عرف ورواج ہوئے بغیر ان معاملات کو انجام دیتے ہیں، تو یہ علماء اس معاملہ کو محض اس وجہ سے ناجائز قرار دیتے رہتے ہیں کہ وہ ان کے مخصوص فقہ کی رو سے جائز نہیں، پھر جب ان کی طرف سے مسلسل عدمِ جواز کے فتاوی جاری کرتے رہنے کے باوجود لوگ باز نہیں آتے، اور ان کے فتوے کے مطابق حرام، وناجائز، یا فاسد عقود میں برابر مبتلاء رہتے ہیں، اور بہت سے لوگ گویا کہ اسی حرام خوری کرتے کرتے، توبہ کئے بغیر دنیا سے رخصت ہوجاتے ہیں، اور پھر ایک عرصہ بعد لوگوں میں ان معاملات کا اس قدر عرف وعادت ہوجاتی ہے کہ ان کو نہ تو مذکورہ علماء سے فتویٰ لینے اور حکم معلوم کرنے کی احتیاج ہوتی، اور نہ ہی ان معاملات سے بچنا ممکن رہتا، اور نہ ہی ان علماء کے فتوے کے کسی جہت سے چلنے اور موثر ہونے کی عملاً کوئی حیثیت رہ جاتی، اور اس کا عرف ہونا، ان کی طرف سے جواز کے فتوے کا منتظر ومحتاج نہیں رہتا، تو پھر لاچار ومجبور ہوکر اپنے فتاویٰ کو حرمت سے حلت کی طرف تبدیل وتحویل کرتے، اور اس پر طولِ لاطائل بخشیں، اور اپنے فقہ کی بے تکی وبے جا تاویلات کرتے ہیں۔

اگر وہ شروع ہی میں محققین کی طرف سے تقلید واجتہاد سے متعلق بیان کردہ اصول وقواعد کے مطابق اجتہادی واختلافی امور سے متعلق وسیع تر آگاہی حاصل کرکے حکم بیان کریں، اور عوام کے لئے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے وضع کردہ رحمت ووسعت کے ابواب کو بند نہ کریں، اور ان کے لئے ایک سے زیادہ طریقوں پر عمل کے جائز راستوں کو جو پہلے سے موجود ہیں، ان کو بند کرنے کے بجائے کھلا رہنے دیں، تو اس طرح کی بے جا مشقت سے وہ خود بھی بچ سکتے ہیں، اور عوام کو بھی بچا سکتے ہیں۔

جس کے متعلق بحمداللہ تعالیٰ ہماری طرف سے جاری کردہ زیرِ بحث مفصل فتوے میں سامان موجود ہے۔

دوسری طرف جمہور فقہائے کرام تصریح کرچکے ہیں کہ اگر کوئی معاملہ اس معنیٰ کر تو فاسد ہو، جو سمجھا جارہا ہے، لیکن وہ کسی دوسرے معنیٰ کے اعتبار سے صحیح ہو، تب بھی اس کو صحیح قرار دیا جائے گا، جیسا کہ ہم نے دوسرے مقام پر باحوالہ بیان کردیا ہے۔

اب اس کی تائید میں حنفیہ کی چند عبارات ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ ابنِ ہمام فرماتے ہیں:

القياس يترك بالتعامل، ولكن النص لا يترك بذلك لأن التعامل إجماع عملي، والإجماع لا ينسخ به الكتاب ولا السنة على ما عرف في علم الأصول(فتح القدير، ج۹،ص ۴۶۵، كتاب المزارعة)

ترجمہ: قیاس کو تعامل کی وجہ سے ترک کیا جاسکتا ہے، لیکن نص کو تعامل کی وجہ سے ترک نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ تعامل ''اجماعِ عملی'' ہے، اور اجماع سے نہ تو کتاب کو منسوخ کیا جاسکتا، اور نہ ہی سنت کو منسوخ کیا جاسکتا، جیسا کہ علمِ اصول میں معلوم ہو چکا ہے (فتح القدیر)

علامہ ابنِ ہمام مزید فرماتے ہیں کہ:

فإن قيل :التعامل على خلاف النص باطل .قلنا :النصوص الواردة في المجتهدات صور النصوص، وإلا لا يحل لأحد الخلاف فيها(فتح القدير، ج۹،ص ۴۶۵، كتاب المزارعة)

ترجمہ: پھر اگر کہا جائے کہ نص کے خلاف تعامل باطل ہے، تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ اجتہادی امور میں جو نصوص وارد ہیں، وہ صورتاً نصوص ہیں، ورنہ تو کسی (مجتہد) کے لئے بھی ان میں اختلاف کرنا حلال نہ ہوتا (فتح القدیر)

اور علامہ ابنِ عابدین شامی نے عرف کو حدیث، یا نص پر ترجیح دینے کے شبہ کا یہ جواب دیا ہے کہ حدیث، یا نص، عاقدین کے درمیان، وقوعِ نزاع کے ساتھ معلول ہے، اور عرف اس علت کو مرتفع کر دیتا ہے، جس کے بعد سوائے قیاس کے اور کوئی مانع نہیں رہتا، اور عرف، قیاس پر مقدم ہوا کرتا ہے۔[1]

---

[1] فان قلت اذا لم يفسد الشرط المتعارف العقد يلزم ان يكون العرف قاضيا على الحديث. قلت ليس بقاض عليه بل على القياس لان الحديث معلول بوقوع النزاع المخرج للعقد عن المقصود به وهو قطع المنازعة والعرف ينفي النزاع فكان موافقا لمعنى الحديث ولم يبق من الموانع الا القياس والعرف قاض عليه(نَشْرُ الْعَرْفِ فِي بِنَاءِ بَعْضِ الْأَحْكَامِ عَلَى الْعُرُفِ،مشمولة رسائل ابنِ عابدين، ج ۲،ص ۱۲۱)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اور یہ بات معلوم ہے کہ اجتہادی واختلافی مسائل میں بھی اگر کسی مجتہد کے نزدیک کوئی حدیث، یا نص موجود ہو، وہ بھی کسی نہ کسی جہت سے معلول ہوتی ہے، ورنہ کسی کو اس کی مخالفت جائز نہ ہو۔

اور علامہ ابنِ عابدین شامی ’’الدرُّ المختار‘‘ کی شرح ’’ردُّ المحتار‘‘ میں فرماتے ہیں کہ:

(قَوْلُهُ :نَفَذَ لِأَنَّهُ مُجْتَهَدٌ فِيهِ) أَيْ مَوْضِعُ اجْتِهَادٍ صَحِيحٍ، بِمَعْنَى أَنَّهُ يَسُوغُ فِيهِ الِاجْتِهَادُ لِأَنَّـهُ لَمْ يُخَالِفْ كِتَابًا وَلَا سُنَّةً مَشْهُورَةً وَلَا إجْمَاعًا (رد المحتار على الدر المختار، ج۳،ص ۴۴۴،باب الخلع)

ترجمہ: یہ فرمانا کہ یہ نافذ ہو جائے گا، کیونکہ یہ مجتہد فیہ ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اجتہادِ صحیح کا محل ہے، اس معنیٰ کر کہ اس میں اجتہاد کی گنجائش ہے، کیونکہ وہ نہ تو کتاب اللہ کے خلاف ہے، نہ سنتِ مشہورہ کے خلاف ہے، اور نہ اجماع کے خلاف ہے (رد المحتار)

علامہ ابنِ عابدین شامی ’’ردُّ المحتار‘‘ میں ہی فرماتے ہیں:

وَقَدْ صَرَّحُوا بِأَنَّـهُ يُحْمَلُ كَلَامُ كُلِّ عَاقِدٍ وَحَالِفٍ وَوَاقِفٍ عَلَى عُرْفِهِ (ردالمحتار، ج۳،ص ۲۱، کتاب النکاح)

ترجمہ: اور فقہاء نے تصریح کی ہے کہ ہر عاقد وحالف، اور واقف کے کلام کو اس کے عرف پر محمول کیا جائے گا (ردالمحتار)

اور ایک مقام پر علامہ ابنِ عابدین شامی فرماتے ہیں:

لِأَنَّ كَلَامَ كُلِّ عَاقِدٍ وَحَالِفٍ وَنَحْوِهِ يُحْمَلُ عَلَى عُرْفِهِ وَإِنْ خَالَفَ ظَاهِرَ الرِّوَايَةِ (ردالمحتار، ج۳،ص ۴۳۴، کتاب النکاح،باب الایلاء)

ترجمہ: کیونکہ ہر عاقد وحالف وغیرہ کے کلام کو اس کے عرف پر محمول کیا جائے گا، اگرچہ ظاہر الروایت کے خلاف ہو (ردالمحتار)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فَإِنْ قُلْت :نَهَى -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -عَنْ بَيْعٍ وَشَرْطٍ فَيَلْزَمُ أَنْ يَكُونَ الْعُرْفُ قَاضِيًا عَلَى الْحَدِيثِ.
قُلْت :لَيْسَ بِقَاضٍ عَلَيْهِ، بَلْ عَلَى الْقِيَاسِ؛ لِأَنَّ الْحَدِيثَ مَعْلُومٌ بِوُقُوعِ النِّزَاعِ الْمُخْرِجِ لِلْعَقْدِ عَنْ الْمَقْصُودِ بِهِ وَهُوَ قَطْعُ الْمُنَازَعَةِ، وَالْعُرْفُ يَنْفِي النِّزَاعَ فَكَانَ مُوَافِقًا لِمَعْنَى الْحَدِيثِ، فَلَمْ يَبْقَ مِنْ الْمَوَانِعِ إلَّا الْقِيَاسُ. وَالْعُرْفُ قَاضٍ عَلَيْهِ (ردالمحتار، ج۵،ص۸۸،باب البیع الفاسد)

علامہ ابنِ عابدین شامی نے ”شرح عقود رسمُ المفتی “میں بھی یہی حکم بیان کیا ہے کہ عرفِ عام سے نص کی تخصیص بھی جائز ہے، اور قیاس کا ترک کرنا بھی جائز ہے۔

اور عرفِ خاص سے، مذکورہ دونوں چیزوں میں سے کوئی چیز جائز نہیں، البتہ خاص اس عرف والی جگہ میں مذہبِ حنفی کے ظاہر کے خلاف جائز ہے۔ [1]

علامہ ابنِ عابدین شامی اپنے رسالہ ”نَشْرُ الْعَرْفِ فِی بِنَاءِ بَعْضِ الْأَحْکَامِ عَلَی الْعُرْفِ “ میں ظاہرالروایت کے خلاف عرف ہونے کے مسئلہ کے ذیل میں فرماتے ہیں:

العرف العام یثبت به الحکم العام،والعرف الخاص یثبت به الحکم الخاص،وحاصله ان حکم العرف یثبت حکمه علی اهله عاما کان اوخاصا،فالعرف العام فی سائر البلاد یثبت حکمه علی اهل سائر البلاد،والخاص فی بلدة واحدة یثبت حکمه علی تلک البلدة فقط(نَشْرُ الْعُرْفِ فِی بِنَاءِ بَعْضِ الْأَحْکَامِ عَلَی الْعُرْفِ،مشمولة رسائل ابنِ عابدین، ج ۲،ص ۱۳۲)

ترجمہ: عرفِ عام سے حکمِ عام ثابت ہوتا ہے، اور عرفِ خاص سے، حکمِ خاص ثابت ہوتا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ عرف کا حکم، اس کے اہل کے لئے ثابت ہوتا ہے، خواہ عام ہو، یا خاص ہو، پس جس چیز کا عرف تمام شہروں میں عام ہو، اس کا حکم، تمام شہر والوں کے لئے ثابت ہوتا ہے۔

اور عرفِ خاص کا حکم، اس شہر کے ساتھ خاص ہوتا ہے، جہاں وہ عرف ہو (نشرالعرف)

اور علامہ ابنِ عابدین شامی نے اپنے رسالہ ”نَشْرُ الْعَرْفِ فِی بِنَاءِ بَعْضِ الْأَحْکَامِ عَلَی الْعُرْفِ “میں ” بیع الثمار علی الاشجار عند وجود بعضها دون بعض “کے جواز پر امام فضلی اور علامہ سرخسی کے اختلاف کو ذکر کرنے کے بعد تحریر فرمایا:

---

[1] والحاصل: ان العرف العام لایعتبر اذالزم منه ترک المنصوص،وانما یعتبر اذالزم منه تخصیص النص،والعرف الخاص لایعتبر فی الموضعین،وانما یعتبر فی حق اهله فقط اذا لم یلزم منه ترک النص ولا تخصیصه،وان خالف ظاهر الروایة وذالک کما فی الالفاظ المتعارفة فی الایمان والعادة الجاریة فی العقود من بیع واجارة ونحوها فتجری تلک الالفاظ و العقود فی کل بلدة علیٰ عادة اهلها ویراد منها ذلک المعتاد بینهم ویعاملون دون غیرهم بمایقتضیه ذالک من صحة وفساد وتحریم وتحلیل وغیر ذلک وان صرح الفقهاء بان مقتضاه خلاف ما اقتضاه العرف(شرح عقود رسم المفتی،ص ۸۳،اعتبار العرف العام والخاص)

اقول لاشک فی تحقق الضرورة فی زماننا لغلبة الجهل علی عامة الباعة فانک لاتکاد تجد واحد واحدا منهم یعلم هذه الحیلة لیتخلص بها عن هذه الغائلة ولایمکن العالم تعلیمهم ذالک لعدم ضبطهم ولو علموا ذلک لایعلمون الابما الفوا واعتادوا وتلقوا
جیلا عن جیل ولقد صدق الامام الفضلی فی قوله ولهم فی ذالک عادة ظاهرة وفی نزع الناس عن عادتهم حرج فهو نظر الی ان ذلک غیر ممکن عادة فاثبت الضرورة والامام السرخسی نظر الی انه ممکن عقلا بماذکره من الحیلة فنفی الضرورة ولایخفی ان المستحیل العادی لاحکم له وان امکن عقلا.

وفیماذکره الامام الفضلی تیسیر علی الناس ورحمة بهم من حیث صحة بیعهم وحل اکلهم الثمار والخضروات وتناولهم اثمان ذالک (نَشْرُ الْعَرْفِ فِی بِنَاءِ بَعْضِ الْأَحْکَامِ عَلَی الْعُرْفِ،مشمولة رسائل ابنِ عابدین، ج ۲،ص ۱۴۰)

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ ہمارے زمانہ میں ضرورت کے تحقق میں شبہ نہیں، کیونکہ عام تاجروں پر جہل کا غلبہ ہو چکا ہے، پس آپ دیکھتے ہیں کہ ان میں سے کسی کو بھی اس حیلہ سے واقف نہیں پاتے، تاکہ اس کے ذریعہ اس مصیبت سے جان چھوٹے، اور کسی عالم کے لیے ان کو تعلیم دینے کی بھی قدرت نہیں، کیونکہ وہ ضبط نہیں کر پاتے، اور اگر وہ اس حیلہ کو جان بھی لیں، تو صرف اسی طریقہ کو جانتے ہیں، جس سے ان کو الفت، اور ان کی عادت ہوتی ہے، اور ایک دوسرے کی دیکھا، دیکھی وہ چلتے ہیں، اور امام فضلی نے سچ فرمایا کہ ان کی اس میں عادت ظاہر ہے، اور لوگوں کو ان کی عادت سے نکالنے میں حرج ہے، تو انہوں نے اس طرف نظر کی کہ یہ عادتاً ممکن نہیں، تو ضرورت کو ثابت مان لیا، اور امام سرخسی نے اس طرف نظر کی کہ یہ عقلاً ممکن ہے، جو انہوں نے حیلہ ذکر کیا، تو انہوں نے ضرورت کی نفی کردی، اور یہ بات مخفی نہیں کہ جو چیز مستحیلِ عادی ہوتی ہے، تو اس کا حکم نہیں ہوتا، اگرچہ وہ عقلاً ممکن ہو۔

اور جو بات امام فضلی نے ذکر کی، اس میں لوگوں کے لئے آسانی، اور ان کے ساتھ رحمت ونرمی ہے، تاکہ بیع صحیح ہو جائے، اور ان کا پھل اور سبزیوں کو کھانا، اور ان کے

لئے ان کی قیمت کو کھانا حلال ہوجائے(نشر العرف)

اور آج کا دور امام فضلی، اور علامہ شامی کے زمانہ سے زیادہ جہالت کا دور ہے، جس میں مجتہد فیہا مسائل میں عرف کے بغیر بھی دوسرے مجتہدین کے مذاہب کے مطابق سہولت وآسانی پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

اور یہ بات ممکن ہے کہ کسی چیز کا جہالت وغرر کے ساتھ اس طرح رواج ہوجائے کہ وہ باعثِ نزاع نہ رہے، اور اسی جگہ ایسی متبادل صورتیں بھی رائج ہوں کہ جن میں جہالت وغرر شامل نہ ہو۔

پس عرف ورواج کے بارے میں یہ کہنا کہ جب اس طریقہ کے علاوہ کوئی اور طریقہ نہ ہو، یہ بھی درست نہیں، کیونکہ بعض اوقات ایک سے زیادہ طریقے رائج ہوتے ہیں، جن میں بعض صورتیں بظاہر جہالت وغرر پر مشتمل ہوتی ہیں، اور بعض اس پر مشتمل نہیں ہوتیں۔

جیسا کہ کمیشن ڈیلر مخصوص ومتعین رقم طے کر کے بھی سودا کرانے پر راضی ہوجاتے ہیں، لیکن اس کے باوجود دلالی کے دوسرے رائج طریقوں کو بھی جائز قرار دیا جاتا ہے۔

اسی طرح بعض علاقوں میں قربانی، اور گوشت وغیرہ کے لئے جانوروں کی عدد کر کے، اور تول کر دونوں طریقوں سے خرید وفروخت ہوتی ہے، اور کوئی صورت باعثِ نزاع نہیں ہوتی، لیکن اس کے باوجود جس کی تصریح ہوجائے، اس کے مطابق عمل جائز ہے، اور کوئی تصریح نہ ہو، تو غالب وطاری عادت پر محمول کیا جاتا ہے۔

یہاں زیرِ بحث وہ عرف نہیں ہے، جس میں سب کا ابتلاء ہوجائے، اور کوئی بھی بچا نہ رہے، کیونکہ ایسی صورت میں وہ عرف ورواج کے اصول کے تحت نہیں، بلکہ ابتلائے عام کی وجہ سے دفع مشقت وحرج کے اصول کے تحت آئے گا، الحاصل اس طرح کا عرف کافی ہے، جس کے فی الجملہ رواج کی وجہ سے نزاع نہ ہو۔

پھر جو مسئلہ اجتہادی ہو، بعض فقہاء اس کو عرف کے بغیر بھی جائز کہتے ہوں، اور بعض جائز نہ کہتے ہوں، جیسا کہ حنفیہ کے علاوہ جمہور فقہائے کرام کے نزدیک ''جعالہ'' عرف کے بغیر بھی جائز ہے، جب فریقین باہمی رضامندی سے یہ عمل انجام دیں، تو اس کو عرف سے پہلے بھی نص کے

خلاف نہ کہا جائے گا، زیادہ سے زیادہ قیاس کے خلاف کہا جاسکتا ہے، اور وہ قیاسِ جلی کے خلاف بھی نہیں کہا جا سکتا، ورنہ اس میں اختلاف کی گنجائش مشکل ہے، بلکہ قیاسِ خفی کے خلاف کہا جا سکتا ہے، اور قیاسِ خفی ایک اجتہادی امر ہے، خود اس میں بھی مجتہدین کا اختلاف ممکن ہوتا ہے، جیسا کہ بالکل ظاہر ہے۔

اس لئے یہ بات ممکن ہے کہ ایک چیز حنفیہ کے قیاس کے مطابق ناجائز ہو، لیکن دوسرے مجتہد، یا مجتہدین کے نزدیک وہ چیز ان کے اپنے قیاس ہی کے مطابق جائز ہو، یا اس سے بھی بڑھ کر ان کے نزدیک بے شک وہ خلافِ قیاس ہو، لیکن کسی حدیث، یا صحابی کے اثر کی وجہ سے جائز ہو، اس لئے اس حدیث، یا اثر کو قیاس پر مقدم رکھا گیا ہو۔

پس اسی طرح اگر مبحوث فیہ مسئلہ کسی مجتہد کے نزدیک حدیث کے خلاف ہو، اور اثرِ صحابی سے اس کا جواز ملتا ہو، تو اس کو اپنے اجتہاد سے خلافِ قیاس ہونے کی صورت میں جائز قرار دینا بالکل درست ہے، کیونکہ ممکن ہے کہ اس کے نزدیک وہ اثر مرفوع حدیث کا درجہ رکھتا ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے نزدیک قیاس کے بھی موافق ہو، جیسا کہ حنابلہ کے نزدیک مبحوث فیہ مسئلہ کی حالت ہے، تو اس کا جواز نہ تو ان کے ظاہرِ مذہب کے خلاف قرار پاتا، نہ حدیث کے خلاف قرار پاتا، نہ قیاس کے خلاف قرار پاتا، اور وہ عرف اور عدمِ عرف کی صورت میں فریقین کی باہمی رضامندی سے جائز ہے، جس کے جواز میں کسی کا رخنہ ڈالنا، یا عرف کی شرط لگا کر، جواز کے فتوے کو اس کے انتظار میں روک کر بیٹھ جانا درست نہ ہوگا۔

امام قدوری حنفی ایک مقام پر فرماتے ہیں:

قالوا :القياس مقدم على قول الصحابي؛ لأن القياس دليل من صاحب الشريعة، فلا يجوز تركه لقول غيره.

قلنا :هذا غلط؛ لأن الصحابي يحكم توقيفا (أو قياسا فإن قالوا :توقيفا): فهو أولى من القياس.

وإن قالوا قياسا :فقياسه دليل من صاحب الشريعة، فقد تساويا وانفرد بمشاهدة التنزيل، والعلم بمقاصد الرسول -صلى الله عليه وسلم -وأيده التوفيق فقياسه أولى(التجريد للقدوری، ج۷، ص ۳۴۰۲، کتاب الغصب)

ترجمہ: دیگر حضرات نے (اس پر اعتراض کے طور پر) کہا کہ قیاس کو صحابی کے قول پر مقدم رکھا جائے گا، کیونکہ قیاس، صاحبِ شریعت کی طرف سے دلیل ہے، جس کا کسی دوسرے (یعنی صحابی کے قول) کی وجہ سے ترک کرنا جائز نہیں؟

ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ یہ کہنا غلط ہے، کیونکہ صحابی، توقیف (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حکم پر مطلع ہونے) کے طور پر ایسا حکم لگاتا ہے (یا قیاس کی وجہ سے لگاتا ہے، اگر توقیف کے طور پر حکم لگائے) تو یہ قیاس پر مقدم ہے۔

اور اگر وہ کہیں کہ یہ صحابی کا قیاس ہے، تو صحابی کا قیاس (تمہارے خود کے اقرار سے) صاحبِ شریعت کی طرف سے دلیل ہے، پس (قیاس کی صورت میں) دونوں کا درجہ برابر ہوگیا، اور صحابی کو وحی کے نزول کے مشاہدہ، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقاصد کے علم میں دوسروں سے انفراد وامتیاز حاصل ہے، اور اس کی تائید توقیف سے بھی ہوتی ہے، پس صحابی کا قیاس، دوسروں کے قیاس سے اولیٰ ہے (تجرید)

نیز امام قدوری حنفی دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ:

من أصلنا أن قول الصحابی إذا لم یعرف له مخالف یقدم علی القیاس

(التجرید للقدوری، ج ۱۱، ص ۵۸۹۳، کتاب الحدود)

ترجمہ: ہمارے اصولوں میں سے یہ بھی ہے کہ صحابی کے قول کی اگر (کسی دوسرے صحابی سے) مخالفت معروف نہ ہو، تو اس کو قیاس پر مقدم رکھا جائے گا (تجرید)

مزید عبارات آگے ''معقولیت'' کی بحث میں آتی ہیں۔

اب اگر کسی کو مبحوث فیہ مسئلہ میں ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی توقیف، اور قیاس دونوں جہت سے ہی اطمینان حاصل ہو، یا نہ بھی ہو، بلکہ وہ اس کے بغیر ہی ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کے اس محقق وثابت شدہ مذہب پر عمل کرے، تو اس کے پاس اس کی کافی وافی حجت موجود ہے۔

فاضل موصوف، یا کوئی دوسرے بزرگوار، اگر اس کو حجت نہ سمجھیں، تو اس سے دوسرے کی شان پر کوئی اثر وفرق نہیں پڑتا۔

نیز علامہ شامی نے اپنے رسالہ ''نَشْرُ الْعَرْفِ فِی بِنَاءِ بَعْضِ الْأَحْکَامِ عَلَی الْعُرْف

’’میں عرفِ خاص سے نص کی تخصیص لازم آنے کے مسئلہ کے ضمن میں فرماتے ہیں:

فاعتبار العرف الخاص ببلدة واحدة قول فی المذهب والقول الضعیف یجوز العمل به عند الضرورة (نَشْرُ الْعَرْفِ فِی بِنَاءِ بَعْضِ الْأَحْكَامِ عَلَی الْعُرْفِ، مشمولة رسائل ابنِ عابدین، ج ۲، ص ۱۲۵)

ترجمہ: پس کسی ایک شہر کے عرفِ خاص کا اعتبار کرنے کا مذہب میں ایک قول موجود ہے، اور ضعیف قول پر ضرورت کے وقت عمل کرنا جائز ہے (نشر العرف)

اور موضعِ ضرورت صرف عرف وعادت کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ اس میں طلبِ تیسیر اور انفرادی ضرورت بھی داخل ہے، جیسا کہ علامہ شامی کے حوالہ سے ہی آگے آتا ہے۔

اس لئے ممکن ہے کہ ایک جگہ، یا ایک علاقہ میں کسی چیز کا عرف ہو، اور دوسری جگہ عرف نہ ہو، یا کسی جگہ نزاع کا باعث ہو، کسی جگہ نزاع کا باعث نہ ہو۔

فاضل موصوف کو نہ تو علمِ غیب حاصل ہے، اور نہ ان کا دعویٰ تمام اہلِ علاقہ کے لئے حجت ہے، بلکہ اس میں فریقین، اور ان کے عرف، اور باہمی رضامندی کا دخل وعمل زیادہ ہے۔ [1]

اور ہم نے اپنے فتوے میں جملہ اقوال، اور تمام تر احتیاطی پہلوؤں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس معاملہ کا خود سے عرف ہونے کا حکم لگانے کے بجائے تعلیق کے ساتھ یہ تحریر کیا تھا کہ:

’’اس پوری صورتِ حال کے تناظر میں ہماری دیانت دارانہ رائے یہ ہے کہ اس طرح

---

[1] وَالَّذِی كَرِهَ بَيْعَ ذَلِكَ يَظُنُّهُ مِنْ الْغَرَرِ الَّذِی نَهَی عَنْهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَيْسَ الْأَمْرُ كَذَلِكَ؛ لِوَجْهَيْنِ :أَحَدُهُمَا :أَنَّ الْمُشْتَرِينَ يَعْلَمُونَ ذَلِكَ كَمَا يَعْلَمُونَ كَثِيرًا مِنْ الْمَبِيعَاتِ الْمُتَّفَقِ عَلَى جَوَازِ بَيْعِهَا؛ بَلْ عِلْمُهُمْ بِذَلِكَ أَقْوَى مِنْ عِلْمِهِمْ بِكَثِيرٍ مِنْهَا .وَالثَّانِی :أَنَّهُ لَوْ فُرِضَ أَنَّ فِی ذَلِكَ جَهْلًا فَالشَّرِيعَةُ اسْتَقَرَّتْ عَلَى مَا يَحْتَاجُ إلَى بَيْعِهِ مَعَ الْغَرَرِ (مجموع الفتاوی لابنِ تیمیة، ج ۲۹، ص ۴۹۱)

وَكَوْنُ الْمَبِيعِ مَعْلُومًا أَوْ غَيْرَ مَعْلُومٍ لَا يُؤْخَذُ عَنْ الْفُقَهَاءِ بِخُصُوصِهِمْ ؛ بَلْ يُؤْخَذُ عَنْ أَهْلِ الْخِبْرَةِ بِذَلِكَ الشَّیْءِ ؛ وَإِنَّمَا الْمَأْخُوذُ عَنْهُمْ مَا انْفَرَدُوا بِهِ مِنْ مَعْرِفَةِ الْأَحْكَامِ بِأَدِلَّتِهَا .وَقَدْ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى :(الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ) وَالْإِيمَانُ بِالشَّیْءِ مَشْرُوطٌ بِقِيَامِ دَلِيلٍ يَدُلُّ عَلَيْهِ ، فَعُلِمَ أَنَّ الْأُمُورَ الْغَائِبَةَ عَنْ الْمُشَاهَدَةِ قَدْ تُعْلَمُ بِمَا يَدُلُّ عَلَيْهَا فَإِذَا قَالَ أَهْلُ الْخِبْرَةِ :إنَّهُمْ يَعْلَمُونَ ذَلِكَ كَانَ الْمَرْجِعُ إلَيْهِمْ فِی ذَلِكَ دُونَ مَنْ لَمْ يُشَارِكْهُمْ فِی ذَلِكَ وَإِنْ كَانَ أَعْلَمَ بِالدِّينِ مِنْهُمْ .كَمَا قَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهُمْ فِی تَأْبِيرِ النَّخْلِ :(أَنْتُمْ أَعْلَمُ بِدُنْيَاكُمْ .فَمَا كَانَ مِنْ أَمْرِ دِينِكُمْ فَإِلَیَّ) . ثُمَّ يَتَرَتَّبُ الْحُكْمُ الشَّرْعِیُّ عَلَى مَا تَعْلَمُهُ أَهْلُ الْخِبْرَةِ كَمَا يَتَرَتَّبُ عَلَى التَّقْوِيمِ وَالْقِيَافَةِ وَالْخَرْصِ وَغَيْرِ ذَلِكَ (مجموع الفتاوی لابنِ تیمیة، ج ۲۹، ص ۴۹۳)

کے معاملہ پر پیش قدمی کرنے سے حتی الامکان پرہیز کرنا چاہئے، اور اس کے بجائے مخصوص رقم وغیرہ کی شکل میں اُجرت مقرر کرکے، یا فیصد کے اعتبار سے کمیشن مقرر کرکے، یا وکیل کو وقت اور ایام کے اعتبار سے اُجرت کا معاوضہ مقرر کرکے معاملہ طے کرنا چاہئے۔

لیکن اگر کسی جگہ اس طرح سے چیز کے فروخت کرنے کا تعامل اور عرف و رواج ہوجائے، اور اس طرح عمل کرنے کے نتیجہ میں تنازع بھی نہ کھڑا ہوتا ہو، جیسا کہ سوال میں اس کا ذکر ہے، تو پھر یہ معاملہ امام احمد رحمہ اللہ کے علاوہ دوسرے فقہاء کے نزدیک بھی جائز قرار پائے گا، کیونکہ عرف و عادت، اور تعامل و رواج کی وجہ سے اس طرح کے معاملات جائز قرار پاتے ہیں، اور یہ تعامل حجت ہوتا ہے‘‘

پس فاضل موصوف کا عرف کے وسیع تر مفہوم اور اس کی اجتہادی وغیر اجتہادی اقسام واحکام کو یکسر نظر انداز کرکے، اور کسی ایک جزئیہ کو پکڑ کر ہمارے بیان کردہ وسیع ترین موقف پر الزام عائد کرنا، بلکہ خود عرف کا مکمل سبق پڑھے بغیر دوسرے کو سبق پڑھانے کی کوشش کرنا، درست نہیں۔

جس کے نزدیک کسی مسئلہ کا جوازِ عرف، اور اس کے بھی تنگ مفہوم پر موقوف نہ ہو، اور نہ ہی وہ محققینِ سلف کی اتباع میں غیر مجتہد، اور عامی کے لئے مذہبِ معین کے التزام کو واجب سمجھتا ہو، جس کی وجہ سے اس کو امام احمد کے فتوے پر عمل کرنا بلا شک وشبہ جائز ہو، اور اس نے تبرعاً، یا تعلیقاً اس کا ذکر کردیا ہو، اس کے سامنے فاضل موصوف کی طرف سے اس قسم کی تعلیلات وتوجیہات زیادہ اہمیت نہیں رکھتیں، اگرچہ فاضل موصوف ان کو کتنی ہی اہمیت کیوں نہ دیں، اور اس کے جواز کے لئے صریح وصحیح اور غیر متعارض حدیث کے انتظار میں کیوں نہ مشغول رہیں۔

اور ہم نے ایک عرصہ سے اپنے یہاں کے ایک بڑے علمی حلقہ کو دیکھا کہ وہ علامہ ابنِ عابدین شامی کے ’’شرح عقود رسمُ المفتی ‘‘میں بیان ونقل کردہ چند اقوال وہدایات کو ’’افتاء کے اصلِ اصول‘‘ سمجھے بیٹھے ہیں، جن سے ذرہ برابر انحراف کو گوارا نہیں کرتے، اور قولاً نہیں تو عملاً وہ ان اصول کو نص سے کم درجہ نہیں دیتے، جبکہ واقعہ یہ ہے کہ اس مختصر تالیف میں اشعار کی تشریح کرتے

ہوئے، کئی ایسے امور موجود ہیں، جن کی حیثیت مخصوص اقوال سے زیادہ نہیں۔ [1]

اور اس میں کئی چیزیں فقہائے مجتہدین و محققین کی تصریحات وتحقیقات، بلکہ خود علامہ ابنِ عابدین شامی کی اپنی دوسری تالیفات میں بیان کردہ تحقیق وترجیح کے خلاف ہیں، اور کئی عبارات کے نقل میں بھی اصل مراجع کے مقابلہ میں مفہوم مختلف ہے،، جن کا ہم نے بحمداللہ تعالیٰ دیگر جلیل القدر مجتہدین و محققین، اور اس رسالہ میں بیان کردہ حوالہ جات کے اصل مراجع کی طرف رجوع کر کے جائزہ لیا ہے، اور اس کے بعد اس رسالہ میں مذکور اقوال کو بحیثیت ''اصولِ افتاء'' حجت قرار دینے سے کنارہ کشی اختیار کر لی ہے۔

جبکہ بعض حضرات نے اس رسالہ میں مذکور امور کی اصل مراجع کی طرف رجوع کئے بغیر اسی طرح تشریح وتوضیح کر کے متعدد تسامحات کو مزید پختہ کر دیا ہے۔

عرف متحقق نہ ہونے کا تصور

پھر فاضل موصوف نے لکھا:

''جبکہ مذکورہ معاملے کا اس طرح عرفِ عام متحقق نہیں ہے، اور فقہائے احناف نے سمسار اور دلال کی اجرت کے جواز کا فتویٰ تعامل اور عرفِ عام کی وجہ سے دیا تھا، اسی وجہ سے فقہائے کرام نے فرمایا ہے کہ کثرتِ تعامل کی وجہ سے لوگوں کو اس کی حاجت پیش آرہی تھی، جبکہ ٹاپ لگانے کے معاملہ میں یہ صورتِ حال نہیں ہے، یہاں کثرتِ تعامل نہیں ہے، بلکہ بعض پراپرٹی ڈیلروں کا عمل ہے، لہٰذا تعامل کی بنیاد پر ٹاپ لگانے کو جائز قرار دینا درست نہیں'' (کمیشن اور بروکری کے جدید مسائل، ص۱۵۳، مطبوعہ: مکتبہ معارف السنۃ، کمیٹی چوک، راولپنڈی، طبع اول ۲۰۲۴ء)

تبصرہ:......ہم اس سے قبل عرف سے متعلق جو گفتگو کر چکے ہیں، اس میں فاضل موصوف کے

---

[1] هـذا شـرح لطيف وضعتـه عـلى منظومتي التي نظمتها في رسم المفتي، أوضح به مقاصدها، وأقيد به أوابـدها وشواردها، أسأله سبحانه أن يجعله خالصا لوجهه الكريم، موجبا للفوز العظيم، فأقول وبه أستعين في كل حين(متن ''شرح عقود رسم المفتي'')

عرف اور عدمِ عرف، بلکہ حقیقتِ عرف واقسامِ عرف اور احکامِ عرف، اور وجودِ عرف اور عدمِ وجودِ عرف سب ہی پر کلام ہو چکا۔

اور سمسار ودلال پر بھی کلام ہو چکا کہ جو جو صورتیں، اجتہادی واختلافی ہیں، اور اجماعی وقطعی نہیں، ان میں سلف محققین کی تصریحات پر عمل کرنے کی صورت میں اس عرف کو دخیل بنا کر طولِ لا طائل بحثوں کی چنداں ضرورت نہیں، جس کے لئے فاضل موصوف اور ان کے ہم خیال علماء بحثیں کر کے عوام، بلکہ علماء کے لئے اس قدر مشکلات پیدا کر دیتے ہیں کہ ان کا عوام تو در کنار اچھے خاصے علماء کو بھی زندگیاں کھپا کر سمجھنا دشوار ہوتا ہے۔

اگر اس طویل، اور دشوار گذار راستہ، اور ادھر ادھر کی تاویلات کے بجائے، عوام کے لئے ان راستوں کو کھول دیا اور کلیر کر دیا جائے، جو اللہ تعالیٰ نے فقہائے مجتہدین کے ذریعہ کھلوائے تھے، اور ایک عرصہ سے بعض علماء کی طرف سے ان کو بند کر دیا گیا ہے، تو عوام کی تمام تر مشکلات کا عمدہ حل نکل آئے، اور ایک خطاء پر مبنی سینکڑوں قسم کی بے تکی تاویلات وتوجیہات سے جان چھوٹ جائے۔

اور کمزور ایمان والے عوام کو ادھر ادھر اور اہلِ باطل کی طرف دھکے کھانے اور رجوع کرنے سے جان چھوٹ جائے، کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ ائمہ دین، مجتہدینِ عظام، اور فقہائے کرام کے مذاہب ومواقف کے سامنے، موجودہ زمانہ کے متجددین کی کوئی اہمیت اور وقعت نہیں۔

اور ہم بحمد اللہ تعالیٰ سلف محققین کی تصریحات کی روشنی میں اسی کے قائل اور اسی پر عامل اور اس کے پرزور داعی ہیں۔

اور قدم قدم پر اس کا مشاہدہ ہے کہ دین پر عمل پیرا ہونے کے لئے مجتہد فیہا مسائل میں مجتہدینِ عظام اور فقہائے کرام کی سرانجام دی ہوئی خدمات ہی حرفِ آخر کی حیثیت رکھتی ہیں، جن کی روشنی میں آگے بڑھنا ہدایت، اور اس سے ہٹنا ضلالت ہے، بشرطیکہ متکلفانہ شرائط کو اس میں حائل نہ ہونے دیا جائے۔

(جاری ہے............)

عبرت کدہ

مولانا طارق محمود

﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَ بْصَارِ﴾

عبرت وبصیرت آمیز حیران کن کائناتی تاریخی اور شخصی حقائق

حضرت شمویل علیہ السلام (چوتھی وآخری قسط)

جالوت اوراس کے لشکر کو شکست اور جالوت کا قتل

جب طالوت کے لشکر کے حضرات، جالوت اوراس کے لشکر کے مقابلہ کے لیے سامنے آئے، اور جنگ ہوئی، تو طالوت کے لشکر کے مقابلہ کرنے والے لوگوں نے اللہ سے یہ دعاء کی کہ ’’اے ہمارے رب! ڈال دیجیے ہم پر صبر کو، اور ثابت قدم رکھیے ہمیں دشمنوں کے مقابلہ میں، اور ہماری کافرقوم پر مدد فرمایئے‘‘

چنانچہ صبرواستقامت اور ثابت قدمی کی برکت اوراللہ کی مدد سے، بحکمِ الٰہی جالوت کے مقابلہ میں طالوت اوراس کے لشکر کو کامیابی ملی، اور جالوت کے لشکر کو شکست ہوئی۔

قرآن مجید کی سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ. فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتَاهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَاءُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِيْنَ . تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ (سورة البقرة، رقم الآيات ۲۵۰ الى ۲۵۲)

یعنی ’’اور جب سامنا کیا انہوں نے جالوت اوراس کے لشکر کا، کہا انہوں نے کہ اے ہمارے رب! ڈال دیجیے ہم پر صبر، اور ثابت قدم رکھیے ہمیں، اور مدد فرمایئے ہماری کافرقوم پر۔ پس شکست دے دی انہوں نے، ان کو اللہ کے حکم سے، اور قتل کردیا داؤد

نے جالوت کو، اور عطاء کی، اس کو اللہ نے بادشاہی اور حکمت، اور تعلیم دی اس کو ان چیزوں کی، جو اللہ نے چاہیں، اور اگر نہ دور کرتا اللہ بعض لوگوں کو بعض کے ذریعہ سے، تو فاسد ہو جاتی زمین، اور لیکن اللہ فضل والا ہے تمام عالمین پر۔ یہ اللہ کی آیات ہیں، تلاوت کرتے ہیں ہم ان کو آپ پر حق کے ساتھ، اور بے شک آپ (اے محمد) یقیناً رسولوں میں سے ہیں''

طالوت کے لشکر والوں نے جو دعاء کی، اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ صبر کا اصل خزانہ اللہ کے پاس ہے، اسی لیے دعاء میں یہ کہا کہ ''اے ہمارے رب! ڈال دیجیے ہم پر صبر'' گویا صبر، اللہ کے پاس سے نازل ہونے اور آنے والی چیز ہے۔

پھر صبر کے بعد کافروں کے مقابلہ میں ثابت قدمی کی دعاء کی، کیونکہ ثابت قدمی کی نعمت، صبر کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے، صبر کی نعمت کے بغیر ثابت قدمی واستقامت مشکل ہے۔

طالوت کے لشکر والوں نے ساتھ ہی کافر لوگوں پر مدد کی دعاء کی، جس سے معلوم ہوا کہ انسان کو اپنی طاقت اور وسائل پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے، اور اپنی طاقت، اسباب اور وسائل کو بروئے کار لانے کے ساتھ ساتھ اللہ سے مدد طلب کرنی چاہیے۔

کیونکہ مومن کی اصل قوت وطاقت اللہ کی ذات ہی ہے، سب کچھ اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے، وسائل تو صرف ظاہر میں ذریعہ ہیں، وہ اللہ کے حکم کے بغیر کسی چیز پر قادر نہیں۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''طالوت کے لشکر نے جالوت کے لشکر کو اللہ کے حکم سے شکست دے دی''، جس سے معلوم ہوا کہ فتح وشکست کا اصل اختیار، اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔

پھر مذکورہ واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''داؤد نے، جالوت کو قتل کیا'' مفسرین نے فرمایا کہ داؤد سے اللہ کے مشہور نبی ''حضرت داؤد علیہ السلام'' مراد ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام ''طالوت'' کے لشکر میں شریک تھے، اور بعض اسرائیلی روایات کے مطابق جب ''جالوت'' نے مقابلہ کے لیے للکارا، تو ''طالوت'' کی اجازت سے، حضرت داؤد اس کے مقابلہ کے لیے نکلے، اور ایک خاص طریقے سے تین مرتبہ پتھر مار کر اس کا سر کچل دیا تھا، اور بعد میں

اس کا سر کاٹ ڈالا تھا۔ [1]

حضرت داؤد کو اللہ نے حکومت اور حکمت دونوں چیزیں عطاء فرمائیں، ''ملک'' سے مراد ''حکومت'' اور ''حکمت'' سے مراد ''دانائی و عقل مندی'' یا ''نبوت'' ہے، نبوت بھی سراپا حکمت ہوتی ہے، اس کے علاوہ بھی اللہ نے جتنا علم چاہا، وہ حضرت داؤد کو عطاء فرمایا۔ [2]

اس سے معلوم ہوا کہ حکومت کو صحیح طریقہ سے چلانے کے لیے صرف طاقت کافی نہیں، بلکہ حکمت ودانائی بھی ضروری ہے، سارے کام صرف طاقت کے بل بوتے پر نہیں ہوتے، بلکہ بعض کام طاقت کے بل بوتے پر ہوتے ہیں، جس کو حکومت کہا جاتا ہے، اور بعض کام طاقت کے بغیر حکمت ومصلحت کے مطابق ہوتے ہیں، جس کے لیے حکمت ودانائی کی ضرورت ہے۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ کے نبی کو اتنا علم ہوا کرتا ہے، جتنا اللہ تعالیٰ اس کو عطاء فرماتا ہے، اس سے زیادہ نبی کو علم نہیں ہوتا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''اگر نہ دور کرتا اللہ بعض لوگوں کو بعض کے ذریعہ سے، تو فاسد ہوجاتی زمین، اور لیکن اللہ فضل والا ہے تمام عالمین پر''

اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں اللہ کا قانون یہ ہے کہ بعض لوگوں کی طاقت کو بعض لوگوں کے ذریعہ سے توڑتا ہے، اور اگر ایسا نہ ہوتا، تو ایک ہی طاقت والے لوگ دوسروں پر غالب آ کر زمین کو فاسد

---

[1] فهزموهم بإذن الله اى بنصره او مصاحبين بنصره– وكان داود عليه السلام مع أبيه فى ثلاث عشر ابنا له فى جند طالوت وعبر معه النهر(التفسير المظهرى، ج ا ص ۳۵۱، سورة البقرة)

أخرج عبد الرزاق وابن جرير وابن المنذر وابن أبى حاتم عن وهب بن منبه قال: لما برز طالوت لجالوت قال جالوت: أبرزوا إلى من يقاتلنى فإن قتلنى فلكم ملكى وإن قتلته فلى ملككم فأتى بداود إلى طالوت فقاضاه إن قتله أن ينكحه ابنته وأن يحكمه فى ماله فألبسه طالوت سلاحا فكره داود أن يقاتله بسلاح وقال: إن الله تعالى إن لم ينصرنى عليه لم يغن السلاح شيئا فخرج إليه بالمقلاع ومخلاة فيها أحجار ثم برز له فقال له جالوت: أنت تقاتلنى؟ قال داود: نعم قال: ويلك ما خرجت إلا كما تخرج إلى الكلب بالمقلاع والحجارة لأبددن لحمك ولأطعمنه اليوم للطير والسباع فقال له داود: بل أنت عدو الله تعالى شر من الكلب فأخذ داود حجرا فرماه بالمقلاع فأصابت بين عينيه حتى قعدت فى دماغه فصرخ جالوت وانهزم من معه واحتز رأسه وآتاه الله الملك فى بنى إسرائيل بعد ما قتل جالوت وهلك طالوت(تفسير روح المعانى للآلوسى، ج ا ص ۵۶۳،۵۶۴، سورة البقرة)

[2] وآتاه الله الملك الذى كان بيد طالوت والحكمة أى النبوة بعد شمويل وعلمه مما يشاء أى مما يشاء الله من العلم الذى اختص به صلى الله عليه وسلم(تفسير ابنِ كثير، ج ا ص ۵۰۹، ۵۱۰، سورة البقرة)

کردیتے، لیکن اللہ نے اپنے فضل وکرم سے ہر سیر کے لیے سوا سیر کو پیدا کرکے اور ''لکل فرعون، موسیٰ'' کا قانون جاری کرکے زمین کو فاسد ہونے سے محفوظ رکھا، اور اللہ کا فضل وکرم کسی قوم، یا ایک عالَم کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ تمام قوموں اور تمام عالموں کے لیے ہے۔

پھر طالوت اور جالوت کے قصہ کے اختتام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''یہ اللہ کی آیات ہیں، تلاوت کرتے ہیں ہم ان کو آپ پر حق کے ساتھ، اور بے شک آپ (اے محمد) یقیناً رسولوں میں سے ہیں'' جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی آیات کی تلاوت کے ذریعہ سے اللہ کے احکام کا بندوں کو علم ہوتا ہے، جو کہ حق ہیں، اور ان کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر حق وسچ کے ساتھ نازل کیا جاتا ہے، کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسولوں میں سے ایک رسول ہیں، اور اللہ کے رسول پر جو وحی نازل ہوتی ہے، وہ ہر طرح کے باطل سے پاک ہوتی ہے، پس قرآن کی ان آیات واحکام کو توجہ سے ملاحظہ کرنا اور پھر ان کے مطابق عمل کرنا چاہئے۔

حضرت شمویل کی وفات

حضرت شمویل کے حالاتِ زندگی کے متعلق اسرائیلی روایات اور توراۃ وغیرہ میں بہت سی ایسی چیزیں منقول ہیں، جن پر اعتبار کرنا مشکل ہے، اور مورخین کے مطابق اس معرکہ کے بعد حضرت شمویل علیہ السلام کی وفات ہوگئی، لیکن ان کی وفات کی تفصیلات بھی کتبِ صحیحہ میں دستیاب نہیں۔

واللّٰہ تعالیٰ أعلم.

دنیا کی زندگی

قرآن مجید اور معتبر احادیث کی روشنی میں دنیا اور اس کی زندگی کی حقیقت وحیثیت، دنیا میں پیش آنے والی مصیبتوں، اور نعمتوں پر قرآن وسنت کی تعلیمات، آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی وقعت، زہد وقناعت، فقر وغربت کے متعلق شرعی ہدایات، دنیا اور مال ودولت کی حرص وطمع، اور مال کے تکاثر وتفاخر کا وبال، دنیا کی زندگی کا آخرت کی زندگی سے تقابل

مصنّف: مفتی محمد رضوان خان

طب وصحت

حکیم مفتی محمد ناصر

سینے کے قلبی درد کو سمجھیں (انجائنا Angina)

انجائنا(Angina) دل سے متعلق سینے کے ایک خاص قسم کے درد یا تکلیف کو کہا جاتا ہے۔

عام طور پر اسے سینے میں دل کا درد کہا جاسکتا ہے، لیکن ہر سینے کا درد انجائنا نہیں ہوتا۔

انجائنا کی تکلیف اس وقت پیدا ہوتی ہے جب دل کے پٹھوں کو ان کی ضرورت کے مطابق خون اور آکسیجن نہ مل سکے، دل کو خون پہنچانے والی شریانوں کو کورونری شریانیں (Coronary Arteries) کہا جاتا ہے، جب ان شریانوں میں خون کی روانی کم ہوجائے تو خصوصاً جسمانی محنت کے وقت دل کو مطلوبہ مقدار میں خون نہیں مل پاتا، اس کے نتیجے میں سینے میں درد، دباؤ، جکڑن، بھاری پن یا بھینچنے جیسی کیفیت محسوس ہوسکتی ہے، اسی مخصوص دل کی تکلیف کو انجائنا کہا جاتا ہے، انجائنا کا درد عموماً سینے کے درمیان یا بائیں جانب محسوس ہوتا ہے اور بعض اوقات بائیں یا دونوں بازوؤں، کندھے، گردن، جبڑے یا کمر کی طرف بھی پھیل سکتا ہے، تیز چلنے، سیڑھیاں چڑھنے یا دوسری جسمانی مشقت سے اس کا پیدا ہونا اور آرام کرنے سے کم ہوجانا اس کی ایک اہم پہچان ہوسکتی ہے، اس لیے عرفِ عام میں ''سینے کا درد'' کہے جانے والے ہر درد کو انجائنا نہیں سمجھنا چاہیے، البتہ ایسا سینے کا درد یا دباؤ جو بار بار محنت کے ساتھ پیدا ہو، خصوصاً اگر بازو یا جبڑے کی طرف پھیلے یا اس کے ساتھ سانس پھولے اور پسینہ آئے، تو اسے سنجیدگی سے لینا اور طبی معائنہ کروانا ضروری ہے۔

انجائنا کیوں ہوتا ہے؟:......اس کی سب سے عام وجہ دل کی شریانوں کا تنگ ہونا ہے، وقت کے ساتھ شریانوں کی اندرونی دیواروں میں چکنائی اور کولیسٹرول وغیرہ جمع ہوکر تہہ یا پلاک (Plaque) بناسکتے ہیں، اسے ایتھروسکلروسس (Atherosclerosis) کہتے ہیں۔

آرام کی حالت میں تنگ شریان سے گزرنے والا خون دل کی ضرورت پوری کرسکتا ہے، لیکن تیز چلنے، سیڑھیاں چڑھنے یا دوسری جسمانی مشقت کے وقت دل کو زیادہ آکسیجن چاہیے ہوتی ہے، اگر

شریانیں مطلوبہ مقدار میں خون نہ پہنچا سکیں تو سینے میں درد یا جکڑن شروع ہوسکتی ہے۔

انجائنا کی پہچان:......انجائنا کا احساس ہر شخص میں ایک جیسا نہیں ہوتا، بعض لوگ اسے درد کے بجائے سینے میں دباؤ (Pressure)، جکڑن (Tightness)، بھینچاؤ (Squeezing) یا بھاری پن کے طور پر بیان کرتے ہیں، تکلیف عموماً سینے کے درمیان محسوس ہوتی ہے اور بائیں یا دونوں بازوؤں، کندھے، گردن، جبڑے یا کمر کی طرف پھیل سکتی ہے، اس کے ساتھ سانس پھولنا (Shortness of Breath)، پسینہ آنا، متلی، چکر یا غیر معمولی تھکاوٹ بھی ہوسکتی ہے، اگر درد ایک خاص مقدار کی محنت، مثلاً تیز چلنے یا سیڑھیاں چڑھنے پر بار بار پیدا ہو اور چند منٹ آرام کرنے سے کم ہوجائے تو اسے عموماً اسٹیبل انجائنا (Stable Angina) کہا جاتا ہے، اس کے برعکس اگر درد اچانک پہلے سے زیادہ شدید ہونے لگے، معمولی حرکت پر شروع ہوجائے، زیادہ دیر رہے یا آرام کی حالت میں بھی ہونے لگے تو یہ اَن اسٹیبل انجائنا (Unstable Angina) ہوسکتا ہے۔ یہ زیادہ خطرناک صورت ہے اور فوری طبی جانچ ضروری ہے۔

انجائنا اور ہارٹ اٹیک میں فرق:......انجائنا اور ہارٹ اٹیک (Heart Attack) ایک چیز نہیں، اگرچہ دونوں کا تعلق دل کو خون کی فراہمی سے ہے، اسٹیبل انجائنا میں دل کے پٹھوں کو خون کی کمی عموماً عارضی ہوتی ہے، اور آرام کرنے سے تکلیف کم ہوسکتی ہے۔

ہارٹ اٹیک میں خون کی فراہمی شدید یا مسلسل متاثر ہونے سے دل کے پٹھوں کو نقصان پہنچنا شروع ہوسکتا ہے، البتہ گھر پر صرف درد کی علامات دیکھ کر دونوں میں یقینی فرق کرنا ممکن نہیں، اس لیے نئے، شدید یا مسلسل سینے کے درد کو محض گیس یا تیزابیت سمجھنا خطرناک ہوسکتا ہے۔

کن لوگوں کو زیادہ خطرہ ہے؟:......انجائنا اور دل کی شریانوں کی بیماری کا خطرہ تمباکو نوشی، ہائی بلڈ پریشر (Hypertension)، ذیابیطس (Diabetes)، کولیسٹرول کی زیادتی (High Cholesterol)، موٹاپے، جسمانی سرگرمی کی کمی اور خاندان میں کم عمری کے قلبی امراض پائے جانے سے بڑھ سکتا ہے۔

﴿بقیہ صفحہ 59 پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اخبارِ ادارہ مفتی محمد ناصر

ادارہ کے شب وروز

□......یکم/ربیع الآخر، بروز پیر ادارہ غفران کی مجلسِ فقہی کا انعقاد ہوا، جس میں علمی وتحقیقی رسائل کی مطبوعہ جلدوں سے اگلی جلدوں کے رسائل پر مشاورت اوران کی اشاعت پر باہم گفتگو ہوئی۔

□......تعمیرِ پاکستان سکول میں گرمیوں کی چھٹیوں کے بعد 10/ربیع الاول (24/اگست) بروز پیر سے تعلیمی سلسلے کا آغاز ہوا، اور 7/ستمبر (24/ربیع الاول) بروز پیر سے فرسٹ ٹرم امتحانات کا آغاز ہوکر 4/ربیع الآخر (17/ستمبر) بروز جمعرات کومکمل ہوئے، اور 6/ربیع الآخر (19/ستمبر) کوفرسٹ ٹرم امتحانات کے نتائج کا اعلان ہوا۔

﴿بقیہ متعلقہ صفحہ 58 ’’سینے کے قلبی درد کو سمجھیں (انجائنا Angina)‘‘﴾

غیر متوازن غذا، مسلسل ذہنی دباؤ اور نیند کی خرابی بھی مجموعی قلبی صحت پر منفی اثر ڈال سکتی ہے۔

طبِ یونانی میں قلب کی صحت

طبِ یونانی کی اسلامی علمی روایت میں قلب کو جسم کے بنیادی اور نہایت اہم اعضاء میں شمار کیا گیا ہے، مسلم اطباء نے قلب کے افعال، امراض، غذا، طرزِ زندگی اور دل کو تقویت دینے والی تدابیر پر تفصیلی بحث کی ہے۔

دل کو تقویت دینے اور عمومی صحت بہتر رکھنے کے لیے غذا اور طرزِ زندگی کی اصلاح کے ساتھ بعض ادویہ اور تدابیر بھی استعمال کی جاتی ہیں، تاہم انجائنا جیسی علامات کی صورت میں دل کی شریانوں کی کیفیت معلوم کرنا اور درست تشخیص کروانا ضروری ہے، مستند تشخیص اور مریض کی مجموعی حالت کو سامنے رکھتے ہوئے، علاج کے لئے طبِ یونانی کی مناسب تدابیر اختیار کی جاسکتی ہیں۔

علاج: انجائنا کا علاج اس کی وجہ، شدت اور دل کی شریانوں کی حالت کے مطابق کیا جاتا ہے۔ علاج کا مقصد سینے کے درد کو قابو کرنا، دل پر بوجھ کم کرنا اور ہارٹ اٹیک کے خطرے کو کم کرنا ہوتا ہے، طبیب مریض کی ضرورت کے مطابق بلڈ پریشر اور کولیسٹرول کو قابو کرنے، خون کے لوتھڑے بننے کے خطرے کو کم کرنے اور انجائنا کی علامات پر قابو پانے کے لیے ادویہ تجویز کرسکتا ہے۔